قرآن و سنت کی روشنی میں

پاکستان میں مروجہ قوانین زرعی ٹیکس کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ برائے ایم فل (علوم اسلامیہ)

(1995-96ء)

نگران مقالہ:
ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی
ڈائریکٹر ادارہ عربی و علوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

مقالہ نگار:
محمد عبداللہ ملک
لیکچرار علوم اسلامیہ
گورنمنٹ کالج فیصل آباد
رولنمبر C-7667999

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"مقصد کاوش"

کسی بھی ملک کی ترقی و خوشحالی اور فلاح و بہبود کا زیادہ تر انحصار اسکے مضبوط اور مستحکم نظام معیشت پر ہوتا ہے۔ اور مستحکم معاشی نظام بنیادی طور پر زرعی شعبہ ہی سے وابستہ ہے۔ پاکستان بھی ایک زرعی ملک ہے اور اسکی زیادہ تر آبادی کی وابستگی چونکہ اسی شعبہ سے ہے اس لئے معیشت کے زیادہ تر شعبوں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر خام مال اسی شعبہ سے مہیا ہوتا ہے۔

اس ملک کے معاشی استحکام کی خاطر مختلف ادوار میں مختلف حکومتوں نے کئی قسم کی اصلاحات کیں جن میں زرعی شعبہ کو ترقی دینے کی خاطر زرعی اصلاحات بھی شامل ہیں اور ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دیگر محاصل کے علاوہ زراعت پر بھی کئی قسم کے ٹیکس عائد کئے گئے۔ پچھلے چند سالوں سے "زرعی ٹیکس کا نفاذ" متنازعہ فیہ چلا آرہا ہے۔
"زرعی ٹیکس" کے نفاذ کے ضمن میں بہت سی الجھنیں ہیں اور یہ صورت حال بہت حد تک غور طلب ہے اور حل طلب بھی۔

پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ نظام عشر کے نفاذ کے بعد زرعی ٹیکس کے نفاذ کا کوئی جواز ہے یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حکومت پاکستان کی طرف سے زرعی اثاثہ جات پر دولت ٹیکس عائد کرنا شرعی لحاظ سے متنازعہ اور قابل تحقیق مسئلہ ہے یعنی کیا ایسا قانون درست ہے یا نہیں؟

تیسرا مسئلہ یہ کہ کیا زرعی اثاثہ جات پر دولت ٹیکس (جو زمین کی پیداواری قابلیت کے حساب سے لگایا جاتا ہے) اور زرعی پیداوار پر انکم ٹیکس بیک وقت لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ان مسائل کی وضاحت کے سلسلے میں دور و نزدیک سے رابطہ کیا گیا لیکن تحقیقی نقطہ نظر سے یہ بات سامنے آئی کہ اس

موضوع پر ابھی تک کوئی باقاعدہ تحقیقی کام نہیں ہوا۔

چنانچہ مذکورہ صورت حال کے بارے میں تسلی بخش وضاحت حاصل کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بحث کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان الجھنوں کا معقول حل سامنے آسکے۔ اس مقصد کے لئے تحقیقی مقالے کا موضوع "قرآن و سنت کی روشنی میں پاکستان میں مروجہ قوانین زرعی ٹیکس کا تحقیقی مطالعہ" قومی و ملکی ضرورت و افادیت کے پیش نظر منتخب کیا گیا ہے۔ جسکی باقاعدہ منظوری اسسٹنٹ رجسٹرار اکیڈمک علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد نے بذریعہ چٹھی (No.F.1-3/95-AR-Ac) بتاریخ 3?-12-95 کو دی۔

اس مقالے کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں اسلامی نظام زرعی محاصل یعنی خراج، عشر، فئے، خمس، کراء الارض، لگان اجارہ، جنگلات کی آمدنی اور ضرائب کا بیان ہے۔ نیز اراضی پاک و ہند کی شرعی حیثیت اور پاکستان میں عشر و خراج کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

دوسرے باب میں 1959ء سے لے کر آج تک کے مروجہ قوانین زرعی ٹیکس مثلاً زرعی اصلاحات 1959ء و 77-1972ء مارشل لاء دور میں زرعی ٹیکس کے قوانین۔

جونیجو دور کے ٹیکسوں کی تفصیل، فنانس بل 1988ء کے تحت زرعی آمدنی کو دیگر آمدنیوں میں (Club) کرنے کے احکام، فنانس بل 1994ء کے تحت زرعی اثاثہ جات پر سنٹرل بورڈ آف ریونیو اسلام آباد کی طرف سے عائد کردہ دولت ٹیکس اور زرعی آمدنی پر ٹیکس) کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں مالکان زرعی اراضی اور دیگر ٹیکس گزار طبقوں میں مشترک نسبت یعنی ٹیکس سے انحراف، غلط اور دوہرے اعداد و شمار کی فراہمی، حکومت پر بداعتمادی اور قانونی پیچیدگیوں کا ذکر ہے۔

چوتھے اور آخری باب میں ملکی ضروریات و اخراجات اور آمدنی کا شماریاتی جائزہ پیش کر کے حکومت کے موقف کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ساتھ ہی زمینداروں کے موقف کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ اسکے علاوہ زرعی ٹیکس کے نفاذ کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے علماء و ماہرین اقتصادیات کی آراء پیش کرنے کے بعد عشر کے علاوہ زراعت پر مزید ٹیکس

لگانے کے حکومتی استحقاق پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔

اس مقالہ کی تیاری کے سلسلے میں مختلف فقہاء کرام اور ماہرین اقتصادیات کو خطوط بھی لکھے گئے اور ذاتی طور پر انٹرویوز بھی کئے گئے۔جن کو اس مقالہ میں شامل کیا گیا ہے۔

مقالہ ہٰذا کی تکمیل کے سلسلہ میں ہر اہم تحقیقی پہلو پر بحث کی گئی ہے اور کسی بھی قابل تحقیق پہلو کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔اور باقاعدہ تحقیقی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے موضوع سے متعلقہ مواد حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔

تحقیقی سفر کے دوران بڑے بڑے کٹھن مراحل ہوتے ہیں۔ بہرحال میں اللہ جل شانہ کی بارگاہ اقدس میں شکر گزار ہوں کہ اسکی توفیق و تائید ہی سے میں اس منزل مقصود کو حاصل کرنے میں کامیاب و کامران ہوا۔

جن حضرات نے کسی لحاظ سے بھی اس تحقیقی کام میں میری معاونت و رہنمائی کی میں ان سب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں استاذی المکرم ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے نہ صرف نگرانی کے فرائض سرانجام دیئے بلکہ تحقیقی میدان میں کامیابی کے وہ روشن اصول و ضوابط بتائے جن کے باعث یہ مشکل کام آسان ہوا۔

اس کے علاوہ میں ڈاکٹر حافظ محمد یونس ، ڈاکٹر خالد مسعود، ڈاکٹر محمود احمد غازی ، ڈاکٹر نور محمد غفاری ، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی ، ڈاکٹر غلام قادر (ورلڈ بینک اسلام آباد) راشد القیوم (IMF) محمد جمعہ خان ڈائریکٹر شماریات (A.D.B.P) میاں محمد یونس ڈائریکٹر زرعی معاشیات (A.A.R.I.) پروفیسر سینیٹر خورشید احمد` مشہور ماہر اقتصادیات ڈاکٹر محبوب الحق` حمید اللہ ملک کمشنر انکم ٹیکس - آفتاب احمد سیکرٹری (CBR) سعید احمد زیدی چیف ٹیکسز سی بی آر اور استاذی المکرم جسٹس محمد کرم شاہ الازہری کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنی بے حد مصروفیات اور پیرانہ سالی کے باوجود میری مدد کی اور مفید مواد فراہم کیا۔

تحقیقی عمل کے دوران سب سے پیچیدہ مرحلہ مستند کتب کی فراہمی کا ہوتا ہے۔ اس لئے میں ان متعدد لائبریرین حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مستند کتب سے حصول مواد میں مدد کی۔ بالخصوص محترم دوست خالد سیف ، ارشاد الحق اثری اور ڈاکٹر خالد ظفر اللہ داؤدی کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے تخریج احادیث میں میری راہنمائی فرمائی۔

میں اپنے مخلص رفیق کار اور دوست پروفیسر عمر حیات انصاری کو ہر گز فراموش نہیں کر سکتا جنہوں نے انتہائی احساس ذمہ داری سے تہذیب الفاظ، اصلاح تراکیب اور تصحیح فقرات کا کام انجام دیا جسکی بدولت مقالہ ھذا اس شکل کو پہنچا۔

میری اس کامیابی میں یقیناً میرے والد بزرگوار کی پر خلوص دعاؤں کا بھی بڑا داخل ہے۔ جن کا ذکر واعتراف میں اپنا فرض سمجھتا ہوں اس سلسلے میں اپنی رفیقہ حیات کی گھریلو خدمات کا اعتراف بھی کرنا چاہتا ہوں کہ اس نے مجھے اپنی گھریلو ذمہ داریوں سے خالصتاً اس تحقیقی کاوش کے لئے آزاد کیا ورنہ شاید میں آج اس کامیابی کی منزل کے ہر گز قریب نہ ہوتا۔

میں العمر کمپیوٹر کمپوزنگ سنٹر فیصل آباد کے پورے عملے کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے شب و روز محنت شاقہ سے اس مقالہ کی تکمیل کو آسان بنایا۔

میں اللہ جل شانہ کی بارگاہ اقدس میں دعا گو ہوں کہ وہ میری اس ادنیٰ سی کاوش کو قبولیت بخشے اور ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے (آمین)

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

محمد عبداللہ ملک
شعبہ علوم اسلامیہ
گورنمنٹ کالج فیصل آباد
رول نمبر C-7667999

پہلا باب:

اسلام کا نظام زرعی محاصل

فصل اول: خراج

فصل دوئم: عشر (زکوٰۃ الارض) خمس - کراء الارض لگان اجارہ ضرائب

فصل سوئم: اراضی پاکستان کی نوعیت

فصل چہارم: اراضی پاکستان میں عشر و خراج کا تعین

فصل پنجم: پاکستانی زمین کی بلحاظ استعمال تقسیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب:

اسلام کا نظام زرعی محاصل

پاکستان میں مروجہ قوانین زرعی ٹیکس کے تحقیقی مطالعہ سے پہلے ضروری ہے کہ اسلامی نظام زرعی محاصل (Islamic System of Agricultural Taxation) کا ذکر کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم کے دور میں بیت المال کے ذرائع آمدنی میں زمینوں کی پیداوار اور زمینوں سے ہونی والی درج ذیل آمدنیاں شامل رہیں۔

خراج، عشر، مال فئے، کراالارض (الاقطاع) خمس، لگان اجارہ اور جنگلات کی آمدنی۔ ان ذرائع آمدنی کی مختصر وضاحت کچھ یوں ہے۔

خراج:

اسلامی ریاست کی دیگر آمدنیوں میں سے ایک اہم ذریعہ آمدنی خراج ہے جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے اور اس کا ادا کرنا بالاجتہاد واجب ہے۔ یہ ٹیکس چونکہ خراجی زمینوں سے وصول کیا جاتا ہے، اس لئے خراجی زمینوں کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ خراجی زمینیں درج ذیل ہیں۔

* وہ زمینیں جنہیں مجاہدین اسلام نے بزور شمشیر فتح کیا ہو یا یہ زمینیں خراج کی غرض سے ذمیوں کو کھیتی باڑی کے واسطے دے دی جائیں مثلاً سوادِ عراق و مصر۔

* ان کافروں کی زمین جنہوں نے خراج کی شرط پر مسلمانوں سے صلح کی ہو۔

*وہ زمینیں جو مسلمانوں نے ذمّی یا کافر سے خریدی ہوں۔

*جو زمینیں خراجی پانی سے سیراب ہوتی ہوں۔

خراجی پانی کی تفصیل یہ ہے۔

(i) ان تمام نہروں کا پانی خراجی ہے جن کو کافروں نے کھدوایا ہو اور پھر وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی ہوں۔

(ii) بارش کا وہ پانی جو خراجی زمین میں جمع ہو جائے۔

(iii) ان چشموں اور کنوؤں کا پانی جو خراجی زمینوں میں ہوں۔ (1)

خراج کا ثبوت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"ماافاء اللہ علی رسول من اھل القری فللہ و للرسول ولذی القربی و الیتمی و المساکین و ابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔" (الحشر : 4)

(ترجمہ) اللہ نے جو لوٹایا اپنے رسولؐ پر بستیوں والوں سے۔ وہ اللہ کے لئے اور رسولؐ کے لئے اور قرابتداروں، مسکینوں، یتیموں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ دولت تم میں سے دولت مندوں کے درمیان محصور نہ رہے۔

خراج کی دوسری دلیل شرعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے آپؐ نے خیبر کا علاقہ فتح کر کے اسی علاقہ کے باشندوں کو خراج مقاسمہ پر دیا تھا۔ علامہ بلاذری نے یہ قول نقل کیا ہے۔

"عن عبداللہ بن عمرؓ قال دفع رسول ﷺ بالرضھا و نخلھا الٰی اھلھا مقاسمۃً علی النصف مما یخرج من التمر و الحب و ولّ علیھم فی ذالک عبداللہ بن رواحہؓ" (2)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین اور کھجوریں ان کے مالکان کو پھلوں

اور غلہ کے نصف خراج پر دے دیں اور اس کی وصولی کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو مقرر فرمایا۔

تیسری دلیل حضرت عمرؓ کا عمل ہے جنھوں نے سواد عراق اور شام کی زمینیں ان کے اصل مالکان کے پاس ہی خراج پر رہنے دیں۔ انھوں نے باقاعدہ طور پر بیت المال قائم کیا اور نظام محاصل کو مستحکم بنیادوں پر اس طرح استوار کیا کہ بیت المال میں خراج سے حاصل ہونے والی آمدنی میں بہت حد تک اضافہ ہوا اور آپ کے زمانہ میں عراق کا خراج دس کروڑ بیس ہزار دینار، شام کا ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار اور مصر کا خراج ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تک پہنچ گیا۔[3] تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں خراج کی دو مشہور اقسام مروج رہی ہیں۔

(1) خراج بالمساحة/خراج مؤظف

(2) خراج مقاسمة

1- خراج بالمساحۃ:

اس فقہی اصطلاح سے مراد ہے کھیتی باڑی پر پیمائش کے لحاظ سے خراج مقرر کرنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر عباسی خلیفہ مہدی کے زمانہ تک خراج کی یہی قسم رائج تھی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن حنیفؓ کے ذریعے عراق کی تمام زمینوں کی پیمائش کرائی اور خراج بالمساحۃ مقرر کیا۔ انگور کے باغات پر دس درہم فی جریب، کھجور کے باغات پر آٹھ درہم گیہوں کے کھیت پر چار درہم اور جو کے کھیت پر دو درہم فی جریب۔ مقرر کیا۔

اسی طرح انہوں نے عراق کی ان تمام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی خراج بالمساحت اس لحاظ سے مقرر کیا کہ تمام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو بھی چیز اس زمین میں بوئی جائے۔ اس کے علاوہ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور کھجور کا وہ باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو فی جریب دس درہم مقرر کئے۔(4)

(جریب ساٹھ مربع گز کو کہا جاتا ہے جو ہمارے ملک میں مروجہ بیگھہ یا نصف ایکڑ کے برابر ہے)

2- خراج مقاسمة:

پیداوار کے ایک مقرر و معین حصہ کو خراج مقاسمۃ کہتے ہیں۔ اسے خلیفہ مہدی نے رائج کیا اور اس کے وزیر ابو عبید اللہ نے مختلف قسم کی زمینوں کے لئے درج ذیل مختلف شرحیں مقرر کیں۔

- چشموں اور بارش سے سیراب ہونے والی زمین کا خراج اس کی پیداوار کا 1/3 حصہ ڈول اور رہٹ سے سیراب ہونے والی زمین پر پیداوار کا 1/3 حصہ، اسی طرح ضرورت اجرت و محنت سے زائد درکار محنت والی پیداوار کا 1/4 حصہ مقرر کیا۔ (5)

انؒ کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسفؒ سے عادلانہ نظام مالیات وضع کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے شہرہ آفاق کتاب "کتاب الخراج" تصنیف کی اور اس کتاب میں خراج مقاسمہ کی سفارش کرتے ہوئے مختلف زمینوں پر خراج کی مختلف شرحیں مقرر کیں۔

چشموں سے سیراب ہونے والی گندم اور جو والی زمین پر محصول پیداوار کا 2/5 حصہ ، رہٹ اور کنوؤں سے آبپاشی والی گیہوں اور جو والی زمین پر پیداوار کا 1/4 اور 1/5 حصہ ، انگور کی بیلوں اور پختہ کھجور کے باغات پر پیداوار کا 1/3 حصہ اور موسم گرما میں پیدا ہونے والے غلوں پر پیداوار کا 1/4 حصہ مقرر کیا۔ (6)

خراج کا نصاب :

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خراج کا کوئی نصاب نہیں ، یہ عشر کی طرح قلیل و کثیر مقدار پر ہے ۔ امام ابو یوسفؒ ہر اس پیداوار پر جس کی مقدار عشر کی طرح پانچ وسق کے برابر ہو خراج عائد ہونے کے قائل ہیں۔

عشر اور خراج دونوں شریعت اسلامیہ کے نظام زرعی محاصل کی دو اصطلاحات ہیں۔ ان دونوں محصولوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمین پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں پائی جاتی ہے ۔ فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اس لئے اس کو زکوٰۃ الارض کہا جاتا ہے اور خراج خالصتاً ایک ٹیکس ہے جسکی ادائیگی میں عبادت کی حیثیت موجود نہیں البتہ اسکی ادائیگی بھی بالاجتہاد واجب ہے ۔ اسلئے عشر صرف مسلمانوں کی زمینوں کے ساتھ مخصوص ہے ۔ اسی طرح عشر و خراج کے مصارف بھی الگ الگ ہیں یعنی عشر کے مصارف نص قرآنی سے متعین ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:- "انما الصدقات للفقرآء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرّقاب والغارمین وفی سبیل اللّٰه وابن السبیل فریضة من اللّٰه واللّٰه علیم حکیم" (

(التوبہ:4)

ترجمہ : زکوٰۃ وصدقات حق ہے مفلسوں کا ، محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پر چانا منظور ہو اور گردنیں چھڑانے کے لئے اور ان کے لئے جو تاوان کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے ، یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

جبکہ خراجی زمینوں سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ وصول ہو اس کا مصرف ملک کے عام مصالح اور اہل اسلام ہیں سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات اور عمال حکومت اور علماء وطلباء ، مفتیوں اور قاضیوں کا گذارہ بقدر کفالت اس مد سے دیا جائے گا ، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر ومرمت کا خرچ بھی اسی مد سے کیا جائے گا۔

عشر (زکوٰۃ الارض) : لفظ عشر کے معنی ہیں دسواں حصہ مگر احادیث میں نبی اکرمؐ نے ان واجبات شرعیہ کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے اس میں عشری زمینوں کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک میں عشر (دسواں حصہ) اور دوسری میں نصف عشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔ لیکن فقہاء ان دونوں قسموں پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عشر ہی کا نام دیتے ہیں۔

انسان پر اس زمین کی تخلیق بذات خود اللہ سبحانہ کا ایک بہت بڑا احسان ہے جس نے اللہ کے حکم سے ہر طرح کی نباتات اور ہر قسم کے پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں۔ دراصل زمین ہی انسانی معیشت کا سرچشمہ ہے کیونکہ اسی زمین میں ہی انسان کی روزی پنہاں کردی گئی ہے اور اس میں تمام انسانوں کی متعین روزی کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

”ولقد مکناکم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش قلیلا ماتشکرون“ (الاعراف:10)

ترجمہ : اور ہم نے تمہیں زمین میں بسایا اور تمہارے لئے زندگی کا سامان فراہم کیا مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔

یہ بات غور طلب ہے کہ زمین زرخیزی کے لحاظ سے یکساں نہیں بلکہ مٹی میں ایسے عناصر درکار ہوتے ہیں جو نباتات کو پروان چڑھانے میں مددگار بنتے ہیں۔ تو ایسے عناصر پر مشتمل مٹی کس نے پیدا کی ؟ بیج میں نماء اور بڑھنے و پھلنے پھولنے کی صلاحیتیں کس نے ودیعت کیں ؟

کس نے نباتات کے لئے آسمانوں سے پانی برسائے اور پہاڑوں سے چشمے بنادینے کا بندوبست فرمایا اور کس نے پودوں کی صحیح افزائش کے لیئے مخصوص گیسوں کا انتظام فرمایا اور نباتاتی نشوونما کے لئے گرمی و سردی کی موزوں مقدار فراہم کی؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ سارے نظامات کئے اور ساری ترتیب و تکمیل بھی اسی ذات کی طرف سے ہے جو اس تمام تخلیقات عالم کا خالق حقیقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے فرمایا:-

"افرایتم ماتحرثون ءانتم تزرعونه ام نحن الزارعون لو نشاء لجعلنه حطاماً قطلتم تفکھون"

ترجمہ = کبھی تم نے یہ سوچا کہ یہ بیج جو تم بوتے ہو ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو ان کھیتوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں بناتے رہ جاؤ۔

عشر کی فرضیت: عشر کی فرضیت قرآن وحدیث اور اجماع سنت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"یآیھا الذین امنوا انفقوا من طیبات ماکسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض: البقرۃ:267)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی کمائی سے ستھری چیز خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے پیدا کی ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا خطاب پوری امت محمدیہؐ سے ہے۔ "اخرجنا لکم من الارض" سے مراد ہر نباتات، معدنیات اور رکاز ہے اور ان تینوں ابواب سے متعلق اس آیت میں احکامات موجود ہیں کیونکہ اس کا حکم عمومی ہے۔ (7)

لہٰذا یہ آیت کریمہ فرضیت عشر کی دلیل ہے اور اس میں عشری زمینوں کی ہر پیداوار پر وجوب عشر کی دلالت موجود ہے۔ اسی طرح دوسری آیت کریمہ میں بھی ایسا ہی حکم موجود ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

"واتوا حقہ یوم حصادہ" (فصل کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو) (الانعام:142)

علامہ قرطبی نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس آیت کا استدلال زمین کی ہر پیداوار اور سبزیوں پر وجوب عشر پر ہے کیونکہ اس سے پہلے آیت مذکورہ میں زیتون اور رمان کا ذکر ہے جو ہر طرح کے پھلوں پر بھی وجوب عشر کی دلیل ہے اور " یوم حصادہ" کے متعلق مختلف اقوال بھی بیان کئے ہیں کہ اس سے مراد اس کا میٹھا ہو جانا ، فصلوں اور پھلوں کا پک جانا اور فصلوں کے کٹنے کا وقت ہے۔ (8)

جسٹس محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے کہ اس آیت سے مراد عشر ہے یعنی جو کھیتی وغیرہ بارش سے سیراب ہو اس کا دسواں حصہ اور جن زمینوں کی آبپاشی نہروں یا کنوؤں سے ہو اس کا بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا اندازہ عالم نباتات میں غور کرنے سے لگایا جاسکتا ہے جس نے مختلف قسم کے لذیذ پھل ، اونچے اونچے کھجور کے درخت ، لہلہاتے ہوئے کھیت جن کی اقسام کا شمار بھی ممکن نہیں پیدا کئے۔ (9)

وجوب عشر کی دوسری دلیل احادیث نبویؐ سے ملتی ہے۔

حدیث نبویؐ ہے:

"عن عبداللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال فیما سقت السمآء والعیون او کان عشر یا العشر و ما قص بالنضح نصف عشر" (10)

ترجمہ = حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا جس زمین کی آبپاشی بارش اور چشموں سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور جسکی آبپاشی پانی کھینچ کر (کنوؤں اور ٹیوب ویل وغیرہ) سے کی گئی ہو اسکی پیداوار کا بیسواں حصہ لیا جائے گا۔

یحیی بن آدم نے رسول اللہ کا ایک اور قول مبارک بھی نقل کیا ہے جس میں آپؐ نے فرمایا:

"کتب اللّٰہ علی المومنین من الصدقۃ من العقار عشر ماسقت العین وسقت السمآء وعلیٰ ماسقی بالضرب نصف عشر" (11)

ترجمہ = اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر زمین کا صدقہ یعنی فصل کا حصہ فرض کر دیا ہے - چشمہ اور بارانی پانی سے آبپاشی ہو تو دسواں حصہ اور بڑے ڈول یا کنوئیں سے آبپاشی کی جائے تو بیسواں حصہ ہے -

ان احادیث نبوی میں عشر یا نصف عشر کا بیان کردہ فرق اس بنیاد پر ہے کہ اگر زمین کی پیداوار میں کاشتکاری سے متعلقہ ضروری محنت و آبپاشی کے اخراجات کے علاوہ کسی اضافی محنت کے خرچ کا دخل نہ ہو تو اس پر یہ اجتماعی ٹیکس زیادہ شرح سے دسواں حصہ لیا جائے گا اور دیگر پیداوار پر ضروری محنت و اخراجات سے کچھ زائد اخراجات اور محنت کرنی پڑے مثلاً کنواں کھود کر یا ٹیوب ویل پر محصول ادا کر کے یا نہر کے پانی کا آبیانہ ادا کیا جائے یا مزید اخراجات برداشت کرنا پڑیں تو عشر کی مقدار نصف یعنی دسواں حصہ کی بجائے بیسواں حصہ (نصف عشر) دینا پڑے گا-

الموسوعة الفقیة میں "قدر الماخوذ فی زکٰوۃ الزروع والثمار" کے عنوان کے تحت درج ہے کہ زمین کی ہر پیداوار پر بشمول پھلوں کے عشر و نصف عشر لیا جائے گا اس پر سب کا اتفاق ہے ایسی زمین کی پیداوار اور پھلوں میں سے 1/10 حصہ یعنی عشر لیا جائے گا جس کی آبپاشی اضافی محنت کے بغیر بارش کے پانی سے یا نہروں کے پانی سے کی جائے گی اور جس زمین کی آبپاشی اضافی محنت و اخرجات کے ساتھ کی جائے تو ایسی زمین کی پیداوآر میں سے بیسواں حصہ یعنی نصف عشر وصول کیا جائے گا - (12)

اوائل اسلام میں چونکہ نہروں کے پانی پر موجودہ نظام کے مطابق ٹیکس و آبیانہ Water Rate نہیں لیا جاتا تھا اور اس وقت نہروں کے پانی سے سیراب ہونے والی زمین پر دسواں حصہ لیا جاتا تھا اس لئے بعض روایات میں "فی السمآء والعیون والانهار" یعنی بارش، چشموں اور نہروں سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداور میں سے دسواں حصہ لینے کا ذکر ہے - مگر یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان سے مراد وہ نہریں اور ندی نالے ہیں جن کے پانی پر محصول نہیں لیا جاتا تھا- لیکن موجودہ دور میں نہری اور چاہی زمینیں ایک ہی حکم میں آتی ہیں- اس لئے ان زمینوں کی پیداوار میں سے دسویں حصہ کی بجائے بیسواں حصہ یعنی نصف عشر وصول کیا جائے گا-

وجوب عشر کی درج ذیل شرائط ہیں:

1 - عشر کے واجب ہونے کی پہلی شرط مسلمان ہونا ہے کیونکہ عشر خالصتاً عبادت ہے اور غیر مسلم عبادت کا اہل نہیں۔ لیکن اگر مسلمانوں نے زمینیں کافروں سے خریدی ہوں تو ایسی زمینوں کی پیداوار میں ان کا سابقہ ٹیکس یعنی خراج مسلمان پر لازم ہوگا۔

2 - دوسری شرط زمین کا عشری ہونا ہے خراجی زمین پر عشر واجب نہیں ہوتا۔

یہاں پر اب عشری زمیوں کی تفصیل بیان کرنا ضروری ہے تاکہ اصل مباحث کی صحیح سمجھ آسکے۔

عشری زمینوں کی وضاحت:۔

درج ذیل زمینیں عشری قرار دی جائیں گی:

- تمام عرب کی زمینیں۔
- وہ ملک جن کے لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہوگئے ہوں۔
- وہ زمینیں جو بزورِ شمشیر فتح ہوئی ہوں اور مجاہدین اسلام اور عاملین کے حصہّ میں آتی ہوں۔
- وہ بنجر اور غیر آباد زمینیں جنہیں مسلمان عشری پانی سے سیراب کریں۔
- وہ خراجی زمینیں جن کا پانی منقطع ہو اور انہیں عشری پانی سے سیراب کیا جائے۔
- مسلمان جب اپنے گھر کے باغ کی زمین کو عشری پانی سے سیراب کرلے۔ (13)

3 - تیسری شرط زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا ہے۔ اگر کسی وجہ سے پیداوار نہ ہو خواہ کسی بے اختیاری سبب سے یا زمیندار کی غفلت و کوتاہی کی وجہ سے زراعت نہیں ہوئی یا اس کی خبر گیری و حفاظت نہیں ہوئی تو ہر صورت میں عشر ساقط ہو جائے گا۔

4 - چوتھی شرط یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جسے کاشت کرنے کا رواج ہو اور عادتاً اس کی کاشت سے نفع اٹھایا جاتا ہو۔ خودرو گھاس یا خودرو بے کار درخت زمین میں اگ آئیں تو ان میں عشر واجب نہیں البتہ اگر گھاس اور بانس کو آمدنی کی غرض سے اگایا جائے یا سینچا جائے تو ان میں عشر واجب ہوگا۔

دیگر احکام شرعیہ میں عقل وبلوغ بھی شرط ہوتی ہے مگر زمین کے عشر کے وجوب میں یہ دونوں شرطیں نہیں ہیں۔ زمین کا مالک خواہ بچہ ہو یا مجنون ، اگر اس کی زمین سے پیداوار ہوتی ہو تو اس اس پر عشر واجب ہے ۔ ان دونوں کے اولیاء اس فرض کی ادائیگی کے پابند ہیں بخلاف زکوٰۃ کے ۔

اسی طرح ملکیت زمین بھی وجوب عشر کی شرط نہیں ۔ لہٰذا جس شخص کی زمین اپنی نہیں کسی اور شخص سے عاریتاً لی گئی ہو یا کرایہ واجارہ پر لی ہو اور اس میں زراعت کرتا کرتا ہو ۔ تو پیداوار کا عشر اسی شخص کے ذمہ ہے جو اس پیداوار کا مالک ہے ۔ اس لئے ٹھیکیدار ، پٹے دار اور بٹائی پر لی جانے والی زمین کو کاشت کرنے والا پیداوار کا مالک ہونے کی وجہ سے عشر کا ذمہ دار ہوگا۔

البتہ معین حصہ پر دی گئی زمین جسکی پیداوار کے مالک کاشتکار اور زمیندار دونوں ہوتے ہیں اس کا عشر بھی ان دونوں پر اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق لازم ہوتا ہے ۔

عشر کا اطلاق :

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور بعض تابعین اور ان کے بعد کے فقہاء کے نزدیک غلوں میں صرف گندم اور جو پھلوں میں صرف کھجور اور کشمش پر ہی زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ ان چار اشیائے خوردنی (اقوات) کے علاوہ کسی شئے پر زکوٰۃ نہیں۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف اسی پیداوار پر عشر لازم ہے جو دو شرطیں پوری کرتی ہو۔ پہلی یہ کہ لوگ اس کا ذخیرہ کر سکیں۔ لہٰذا ایسی سبزیات جنہیں ذخیرہ نہ کیا جاسکے مثلاً تربوز ، ککڑی ، کدو ، بینگن ، گاجر ، ساگ ، پات اور پھلوں وغیرہ پر عشر نہیں۔ دوسری شرط یہ کہ ایسی پیداوار جسے پیمانہ سے ناپ تول سکیں مثلاً تمام قسم کے اناج ، دالیں ، تل اور ہر قسم کے بیج ، دھنیا ، زیرہ ، پیاز ، لہسن اور ان کی مانند پیداوار وغیرہ پر عشر لازم ہوتا ہے ۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عشر صرف ان اشیاء پر عائد ہوتا ہے جو قابل ذخیرہ خوردنی اشیاء ہوں ۔ ان کے

نزدیک سیب ، انار ، امرود ، شفتالو ، آلو بخارہ پر زکوٰۃ نہیں - امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو شئے خشک ہوجائے ، باقی رہے اور تولی جاسکے - اس پر زکوٰۃ ہے - مگر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کھیتوں کی ہر پیداوار پر عشر فرض ہے کیونکہ قرآن مجید کی وہ آیات جن سے وجوب عشر کی دلیل قطعی ملتی ہے ان میں فرمان الٰہی عمومی ہے اور ان میں زمین کی ہر طرح کی پیداوار شامل ہے-

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ احادیث نبویؐ کی رو سے عشر و نصف عشر کے احکام بھی عام ہیں اور ان میں کسی قسم کی پیداوار کے مابین کوئی تفریق نہیں ۔ 14

اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے قرآن مجید کی تائید حاصل ہونے اور قانون زکوٰۃ کی حکمت و تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے زیادہ قوی اور معتبر ہے -

مشہور مالکی فقیہہ ابن عربی نے بھی اس موقف کی تائید میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک دلیل کی روشنی میں زیادہ قوی ہے - مساکین کے لئے زیادہ محتاط ہے ، اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر میں سب سے بہتر اور عام آیات و احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں - 15

سید اسعد گیلانی کی رائے ہے کہ کسی نوع کی بھی پیداوار ہو ان سب میں عشر واجب ہے جیسے گیہوں ، جو ، چنا ، باجرا ، مکئی ، چاول ، ہر طرح کا غلہ اور ترکاریاں ، پھل ، چھوارے ، گنا ، خربوزہ ، لکڑی ، بینگن ، کھیرا ، اور زعفران وغیرہ - 16

مذکورہ بالا آراء کا موازنہ کیا جائے تو واقعتاً حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول قرآن و سنت اور آثار صحابہؓ کے عین مطابق ہے -

عشر کا نصاب :

صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین اور اکثر فقہائے امت کی رائے میں فصلوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کی مقدار پانچ وسق ہوجائے- دلیل یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کا فرمان ہے کہ پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے - بخاری

شریف میں آپ ؐ کا قول مبارک ہے کہ :-

"عن ابراہیم قال لیس فیما اقل من خمسة اوسق صدقة" 17

عطاء سے بھی اسی قسم کا قول مروی ہے کہ:-

"عن عطاء قال فی خمسة اوساق الزکٰوة" 18

امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک کھیتوں کی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں اور ہر قلیل و کثیر پیداوار پر عشر فرض ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جب زمین کی پیداوار پانچ وسق تک پہنچ جائے تب ہی عشر فرض ہوگا۔

سیّد سابق کی رائے میں صدقات و خیرات اور زکٰوۃ صرف اغنیاء پر ہی فرض ہے اور دیگر تمام اموال زکٰوۃ کی طرح غنٰی اور دولت مندی نصاب کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ 19

البتہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ مختلف قسم کی اجناس و اناج مثلاً گندم، جو، چنا اور دھان وغیرہ کو ملا کر ایک نصاب بنایا جاسکتا ہے۔ یہ قول نہایت معتدل اور سہولت کے ساتھ ساتھ تقویٰ کے تقاضوں کی تکمیل سے زیادہ قریب ہے۔

ڈاکٹر وھبہ زوھیلی لکھتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نے رسول اللہؐ سے روایت کیا ہے کہ پانچ وسق سے کم گندم اور جو پر صدقہ واجب نہیں۔ اسی طرح حضرت ابوہریرۃؓ نے بھی آپؐ سے روایت کی ہے کہ پانچ وسق سے کم (پیداوار) پر زکٰوۃ نہیں۔ اسی طرح ابن القیم نے کہا کہ پانچ وسق عشر کے نصاب کی مقدار کے متعلق صحیح۔ صریح اور محکم سنت وارد ہوئی ہے۔ لہذا جب تک پیداوار کی مقدار پانچ وسق تک نہ پہنچے اس وقت تک عشر لازم نہیں آتا کیونکہ دولت مندی اور غنی کا یقین صرف نصاب ہی سے ممکن ہو سکتا ہے۔ 20

وسق کی وضاحت :-

وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے اور پانچ وسق تین سو صاع کے برابر ہوتے ہیں۔ موجودہ اوزان میں وسق کی مقدار میں اختلاف ہے۔

زکوٰۃ و عشر آرڈیننس 1980ء مطبوعہ ادارہ مطبوعات پاکستان اسلام آباد کی رپورٹ کے مطابق پانچ وسق نو سو اڑتالیس کلو گرام (948) بنتا ہے۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی رائے میں پانچ وسق چھ سو اکاون (651) کلو گرام کے برابر ہوتے ہیں۔ سید اسعد گیلانی کی تحقیق کے مطابق ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور پانچ وسق تین سو صاع (300 صاع) یا چھ سو باون (652) کلو گرام بنتے ہیں۔

لہٰذا منوں کے حساب سے پانچ وسق 2/1/19 من ۔23 من یا 26 من بنتے ہیں اور اگر درمیانی مقدار اختیار کریں تو 23 من نصاب اختیار کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

فصلوں کے مالکان کے لئے رعایت :-

حضرت سھل بن حشمہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جب تم فصل کی پیداوار کا اندازہ کرنے لگو تو 1/3 حصہ (فصل کے مالکان کے لئے) چھوڑدو اور اگر تم 1/3 حصہ نہ پاؤ تو پھر 1/4 حصہ چھوڑدو۔ نیل الاوطار میں ہے کہ اس حدیث کو سوائے ابن ماجہ کے سب نے روایت کیا ہے۔ 21

ایک اور مقام پر یہ حدیث بھی وارد ہوئی ہے کہ رسول اللہؐ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب آپؐ کسی اندازہ کرنے والے کو بھیجتے تو انہیں نصیحت فرماتے کہ مال اور باغات عاریتاً دیئے ہوئے کھجوروں کے باغات میں راہ گیروں کا بھی حصہ ہوتا ہے اسے منہا کردیا کرو۔ 22

اسی طرح مروان بن حکم نے جب سھل بن ابی حشمہ کو کھجوروں کے باغات کی پیداوار کا تخمینہ لگانے کے لئے بھیجا تو انہوں نے سعد بن ابی سعد کے باغات کی پیداوار کا تخمینہ سات وسق لگایا اور کہا کہ اگر مجھے ان باغات کے قریب چالیس جھونپڑیاں نظر نہ آتیں تو میں ان کھجوروں کی پیداوار کا اندازہ نو وسق لگاتا۔ لیکن میں نے وہ مقدار جو جھونپڑیوں میں رہنے والے کھا سکتے ہیں ان کے لئے چھوڑ دی ہے۔ 23

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات نہایت معقول معلوم ہوتی ہے کہ فصلوں کے مالکان کی پیداوار میں سے 3/1 یا 1/4 حصے کی رعایت مناسب ہے۔

پیداواری اخراجات : (Cost of Production)

زمین کی پیدوار پر اٹھنے والے اخراجات اور چنگی وغیرہ عشر ادا کرنے سے پہلے منہا کئے جائیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور فقہائے کرام کی دو مختلف آراء ہیں۔ حضرت عباسؓ، عطاء، طاؤس مکحول اور حضرت احمد بن حنبلؒ کی رائے میں پیداواری اخراجات برداشت کرنے کے لئے جو قرض لیا جائے یا دیگر متفرق قسم کے اخراجات جو صرف اور صرف پیداوار ہی پر خرچ ہوں، عشر لگاتے وقت منہا کئے جائیں گے۔ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور امام سفیان ثوریؒ کے علاوہ تمام فقہائے احناف کی رائے میں بھی عشر زمین کی پیداوار میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے جسے سوائے آیات کریمہ اور احادیث نبویؐ کے کسی کو ساقط کرنے کا اختیار ہرگز نہیں۔ 24

الموسوعة الفقیہ میں بھی یہ بات واضح کی گئی ہے کہ بے شک عشر اور نصف عشر پیداوار کی ہر قسم پر واجب ہے اور اس میں سے مزدوری، نہروں اور نالوں کی کھدائی اور حفاظت کرنے والے کی تنخواہ یا اس طرح اور اخراجات وضع نہیں کئے جائیں گے بلکہ تمام پیداوار میں سے عشر وصول کیا جائے گا کیونکہ عشر کے متعلق نبی اکرمؐ کا حکم یعنی عشر و نصف عشر پیداوار پر مختلف محنت اور اخراجات کے حساب ہی سے مختلف ہے۔ 25

اسی طرح ڈاکٹر وھبہ الزوھیلی کی رائے یہ ہے کہ ہر وہ پیداوار جو زمین سے اگتی ہے اس میں عشر و نصف عشر واجب ہے اس لئے اس میں سے مزدوروں کی اجرت، کھیتی کا خرچ یعنی ہل چلانے اور بونے کے اخراجات منہا نہیں کئے جائیں گے کیونکہ بے شک نبی اکرمؐ نے مختلف زمینوں کی پیداوار میں ہونے والے اخراجات و محنت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی عشر و نصف عشر کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا پیداوار میں سے زراعت پر اٹھنے والے اخراجات منہا نہیں کئے جائیں گے۔ 26

ان مذکورہ بالا تمام آراء کے بعد یہ بات زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے زیادہ محنت و

اخراجات والی پیداوار پر نصف عشر یعنی 20 / 1 حصہ اور کم محنت ، معمول کی محنت اور کم اخراجات سے ہونے والی پیداوار پر عشر یعنی 10 / 1 حصہ واجب کر کے پہلے ہی اضافی محنت و اخراجات کی مناسب رعایت دی ہے۔ لہٰذا اب مزید اس پیداوار میں سے کچھ منہا کرنا شریعت میں اپنی رائے داخل کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس لئے عشر کی ادائیگی کے بعد ہی پیداوار کے قرضوں اور اضافی محنت و اخراجات منہا کرنا زیادہ محتاط عمل ہوگا۔

مال فئے :۔

اسلامی ریاست کے بیت المال کی زراعت سے ہونے والی آمدنیوں میں ایک ذریعہ آمدنی مال فئی بھی ہے ۔ اگر کفار مسلمانوں سے مرعوب ہو کر جنگ کئے بغیر اپنا مال و متاع چھوڑ کر بھاگ جائیں یا جنگ کے بعد ان کی مقبوضہ زمینیں مقررہ لگان یا مالگذاری پر انہیں کے قبضہ میں رہنے دی جائیں تو اس ضمن میں ہونے والی آمدنی مال فئی کہلاتی ہے ۔ یہ بیت المال کا حق ہے ۔ اس لئے یہ مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ جنگ کے بغیر حاصل ہوتا ہے ۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فئے دراصل خراج ہی کی ایک قسم ہے۔ 27

خمس:

اسلامی حکومت زمین میں سے دریافت شدہ خزانے ودفینے اور معدنیات کی پیداوار کا 1/5 حصہ وصول کرتی ہے اور اس کا ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔

"واعلموا انما غنمتم من شی ء فان للّٰہ خمسه و للرسول ولذی القربٰی والیتٰمٰی والمساکین وابن السبیل" (الانفال: 41)

ترجمہ= تم جان لو کہ جو چیز بھی تمہیں غنیمت میں ملتی ہے وہ بے شک اللہ کے لئے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول ﷺ کے واسطے اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے ہے۔

کراء الارض یا قطائع کی آمدنی:

اسلامی ریاست کی ملکیت میں کچھ ایسی زمینیں بھی ہوتی ہیں جیسے دریاؤں سے نکلنے والی زمینیں۔ جنگل کاٹ کر یا صحرا آباد کرکے جو زمینیں تیار کی جائیں یا مرتدوں کی زمینیں یا وہ زمینیں جن کے مالکان کا پتہ نہ چلتا ہو۔ یہ زمینیں حکومت مسلمانوں کو بطور اقطاع عطا کرکے ان کی نوعیت کے اعتبار سے ان پر عشر یا خراج لاگو کردے تو ایسی زمینوں کی آمدنی بھی سرکاری خزانہ کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس قسم کی آمدنی نو کروڑ درہم تھی جبکہ یہی آمدنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بڑھ کر پچاس کروڑ درہم تک پہنچ گئی تھی۔

لگان اجارہ / ٹھیکہ:

جب اسلامی ریاست کسی خاص مقام یا زمین وغیرہ کا اجارہ کسی خاص شخص کو دے دے تو اس کا لگان وصول کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بنو غسان کے ہلال نامی ایک شخص کو سلبہ وادی اس لئے خاص کردی تھی کہ وہ وہاں شہد کی مکھیاں پالتے اور اس کا عشر آپ ﷺ کی خدمت میں مسلمانوں کے نفع کے لئے پیش کرتے تھے اور یہ طریقہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک برابر جاری رہا حکومت اس وادی کی حفاظت کرتی تھی۔ 28

جنگلات کی آمدنی:

مذکورہ ذرائع آمدنی کے علاوہ اگر اسلامی ریاست کے اندر بڑے بڑے جنگلات ہوں تو وہ بھی اسکی آمدنی کا ذریعہ بن سکتے ہیں کیونکہ انھیں سرکاری ملکیت ہی قرار دیا جاتا ہے ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برس کے جنگلات وہاں کے باشندوں کو چار ہزار درہم کے عوض دیئے تھے ۔

ضرائب:

مذکورہ بالا زمینوں سے ہونے والی مختلف قسم کی آمدنیاں اگر اسلامی ریاست کی جائز ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہوں تو حکومت مفاد عامہ کی خاطر جدید ٹیکس بقدر ضرورت عائد کرتی ہے ۔ ان کو اسلامی اصطلاح میں ضرائب و نوائب کہا جاتا ہے ۔

اراضئ پاک و ہند کی نوعیت:

ہندوستان میں کوئی علاقہ ایسا نہیں جس کے تمام باشندے مسلمان ہوگئے ہوں اور وہ اپنی زمینوں پر قابض یا دخیل ہوں اور ان کی پیداوار کا عشر حکومت کو گیا ہو ۔ البتہ جو زمینیں صلحاً فتح ہونے کے بعد مقامی باشندوں کے پاس رہیں ان سے خراج وصول کیا گیا اور جو زمینیں عفوۃً و جبراً فتح ہونے کے بعد مسلمانوں میں تقسیم کی گئیں ان سے عشر وصول کیا گیا ۔ عراق ، خراسان اور بصرہ سے منسلک مشرقی بلاد و علاقے جن میں سندھ اور مکران وغیرہ بھی شامل ہیں ان سب میں یہی صورتیں ہیں اور خلافت راشدہ سے لے کر عباسی دور تک ان ہی پر عملدرآمد ہوتا تھا ۔ 29

صلح و معاہدہ سے فتح ہونے والے مقامات:

21ھ یا 23ھ میں عاصم بن عمرو نے سجستان کی فتوحات کے سلسلہ میں حدود سندھ کے علاقے مقامی باشندوں کے مطالبہ پر صلحاً فتح کئے ۔ طبری کا بیان ہے کہ اہل سجستان خراج دینے پر تیار ہوئے اور مسلمان شرائط کو پورا کرنے پر آمادہ ہوئے ۔ 30

اسی طرح بلاذری کا قول ہے کہ عبدالرحمٰن بن سمرہ نے داور پہنچ کر جبل زور میں باشندوں کا محاصرہ کیا ۔ پھر ان لوگوں نے صلح کی اور اس سلسلہ میں عبدالرحمٰن بن سمرہ نے بست اور زابل کو بذریعہ معاہدہ فتح کیا ۔ 31

جہاد سے فتح ہونے والے علاقے:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ابتدائی فتوحات جو عثمان بن ابو العاص ثقفی اور ان کے بھائیوں کی امارت میں بھڑوچ و دیبل میں ہوئیں یا 23ھ میں مکران کی جو فتح حکم بن ابو العاص کی امارت میں ہوئی وہ سب وقتی اور ہنگامی تھیں اور ان کے بعد وہاں کی زمینوں پر خراج اور باشندوں پر جزیہ کا قانون جاری نہیں ہوا تھا ۔ البتہ 23ھ میں حکم بن عمرو ثعلبی کی امارت میں فتح مکران کے بعد خراج اور جزیہ کا معاملہ کیا گیا ۔ کیونکہ یہ مستقل فتح طاقت اور باقاعدہ جنگ کے بعد ہوئی تھی ۔ 23ھ میں سہل بن عدی نے کران اور بلوچستان کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا ۔ مقامی باشندوں

نے پوری طاقت جمع کرکے ان کا مقابلہ کیا مگر انہیں شکست ہوئی - 29 ھ میں عبداللہ بن معمر تیمی نے مکران کے جنوب میں نہر سندھ تک پورا علاقہ طاقت کے ذریعہ فتح کیا اور ان علاقوں کی بغاوت کو سخت جنگ کے بعد ختم کرکے حالات پر پورا قابو پایا۔

طبری کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن معمر تیمی کو مکران کی مہم پر روانہ کیا اور انہوں نے مکران سے دریائے سندھ تک کے علاقوں کو قتل و غارت کے بعد مغلوب کیا۔ 32

31 ھ میں مجاشع بن سعود سلمی نے کرمان کی فتوحات کے ضمن میں قفص (بلوچستان) کو قتال اور حرب و ضرب کے بعد فتح کیا- بلاذری نے تصریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجاشع نے اہل قفص سے جنگ کرکے ان پر فتح اور غلبہ پایا - اسی طرح 36 ھ یا 38 ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے بلاد مکران قندابیل اور قیقان وغیرہ میں قتال و جہاد کے بعد شاندار فتوحات حاصل کیں اور مقامی لوگوں نے زبردست مقابلے کے بعد اپنی شکست مانی - 33

مذکورہ بالا تمام ہندوستانی علاقے عفوۃً و جبراً اور طاقت سے فتح ہوئے ان کی زمینیں عام طور سے فئی کی شکل میں باقی رکھ کر مقامی باشندوں کے پاس رہنے دی گئیں اور ان پر خراج مقرر کیا گیا - عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں مجاشع نے کرمان (بلوچستان) کو سخت جنگ کے بعد فتح کیا اور مقامی باشندے شکست خوردہ ہو کر بجستان اور مکران کی طرف بھاگ گئے اس لئے ان کی خالی زمینیں اور جائیدادیں عربوں کے قبضہ میں آگئیں اور انہوں نے وہاں کھیتی باڑی شروع کردی اور خلافت کیطرف سے ان کے قبضہ کو جائز تسلیم کرکے ان سے عشر وصول کیا گیا۔

ڈاکٹر محمود الحسن عارف لکھتے ہیں کہ یہ بات واضح ہے کہ برعظیم پاک و ہند کی اس سرزمین کو مسلمانوں نے طویل جدو جہد اور کئی خونریز جنگوں کے بعد حاصل کیا اس کے حصول کے لئے بلامبالغہ ہزاروں مسلمانوں نے جان و مال اور عزت و ناموس کی قربانیاں پیش کیں - اس کے بعد وہ متعدد کتب تاریخ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان کتب کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان تمام مفتوحہ علاقوں پر مسلم قابضین نے خراج ہی مقرر کیا تھا اس طرح یہ تمام زمینیں سواد عراق ہی کے طبقہ میں شامل ہوجاتی ہیں - نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کی اکثر و بیشتر اراضی ان لوگوں کی ملکیت نہیں ہیں جو ان پر قابض ہیں اس لئے اراضئی ہند کے متعلق کسی شخص کی ملکیت و عدم ملکیت پر حکم لگانا اس

وقت تک درست نہیں ہے جب تک یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہوجائے کہ یہ زمینیں کس نوعیت میں شامل ہیں

34

اراضی پاکستان میں عشرو خراج کا تعین:

پاکستان میں موجودہ زمینوں کی مختلف وجوہات کی بنا پر درج ذیل چند مختلف اقسام ہیں۔

1: غیر مسلموں کی متروکہ زمینیں جو حکومت پاکستان نے مہاجرین میں تقسیم کیں، یہ سب زمینیں عشری ہیں۔ پاکستان کے قیام سے قبل ان کی حیثیت خواہ کچھ بھی ہو کیونکہ حکومت پاکستان اور دیگر دونوں حکومتوں یعنی برطانیہ اور ہندوستان کے مابین جائیداد کے تبادلہ کا معاہدہ ختم ہونے کے بعد یہ سب اراضی بیت المال کی ملکیت میں داخل ہو کر ملک کی تقسیم کے ذریعہ مسلمانوں کی ابتدائی ملک بن گئیں اور مسلمانوں کی زمین پر عشر ہی لگایا جائے گا۔ اس مناسبت سے یہ ساری زمینیں عشری ہیں۔

2: وہ زمینیں جو قیام پاکستان سے پہلے غیر آباد تھیں اور کسی شخص کی ملکیت میں داخل نہیں تھیں بعد میں حکومت پاکستان نے ان میں آب رسانی کے ذرائع مہیا کر کے انہیں آباد کیا اور مسلمانوں کو قیمتاً یا بغیر قیمت کے تقسیم کیا جیسے پنجاب میں تھل کا علاقہ اور سندھ میں کوٹری کا علاقہ۔ یہ سب زمینیں بھی مسلمانوں ہی کی ابتدائی ملکیت ہوگئیں اس لئے یہ سب بھی عشری زمینیں قرار پائیں گی۔ بشرطیکہ ان کی آبپاشی سندھ اور پنجاب کے بڑے بڑے دریاؤں سے ہوتی ہو جو قدرتی طور پر جاری ہیں اور کسی بھی حکومت کے بنائے ہوئے نہیں۔ ان دریاؤں کا پانی چونکہ عشری ہے لہذا صوبہ پنجاب میں تھل کا علاقہ۔ سندھ میں کوٹری بیراج کا علاقہ اور اندرون سندھ کی نئی آباد کردہ سب زمینوں کا یہی حکم ہے۔

ان دو اقسام کے علاوہ پاکستان کی جو زمینیں غیر مسلموں کی ملکیت ہیں ان پر خراج نافذ ہوگا کیونکہ یہ سب خراجی ہوں گی۔ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں اور ان کے پاس یہ زمینیں مسلمانوں ہی سے وراثتاً۔ شرعاً اور قیمت کے عوض پہنچی ہیں تو یہ زمینیں عشری ہیں اور اگر درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگیا تھا تو عشری نہ رہیں۔ مگر وہ عشری زمینیں جن کا سابقہ حال معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہیں ان سے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ یہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہیں اور عشری ہیں۔ 35

قیام پاکستان سے پہلے فیصل آباد اور سرگودھا کی نہری زمینوں کی نوعیت

ان زمینوں کی حقیقت یہ ہے کہ عرصہ دراز سے یہ زمینیں غیر آباد پڑی تھیں اور ان کے اصل مالکان کا علم نہ تھا۔ بذریعہ آب چاہی و بارش تھوڑے تھوڑے ٹکڑے آباد تھے۔ ان بے آباد زمینوں کو جن کا کوئی مالک نہ تھا۔ انگریز حکومت نے دریائے سندھ و چناب و جہلم سے نہریں کھود کر مسلمانوں اور غیر مسلموں سے آباد کرایا اور بعد میں مجوزہ شرائط کے مطابق ان آباد کاروں کو ان زمینوں کا مالک قرار دے دیا۔

ان زمینوں کا حکم یہ ہے کہ جس زمین کو غیر مسلموں نے آباد کیا تھا وہ خراجی ہیں اور البتہ جن کو مسلمانوں نے آباد کیا ان کے عشری یا خراجی ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی صورت میں چونکہ قرب و جوار کا اعتبار ہوتا ہے اور ان زمینوں کے ارد گرد کی زمینیں بھی چونکہ عشری ہیں اس لئے یہ زمینیں بھی عشری ہوں گی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی صورت میں چونکہ پانی کا اعتبار ہوتا ہے۔ یعنی اگر عشری پانی سے سیراب ہوں تو عشری اور اگر خراجی پانی سے سیراب ہوں تو خراجی ہوں گی کیونکہ ان نہروں کا پانی خراجی ہے۔

سید عبدالشکور ترمذی نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تحقیق اور دلیل کی رو سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قوی اور راجح ہے کیونکہ ان زمینوں کو آباد کرنے والے جب مسلمان ہیں تو وہ عشر ہی کے مستحق ہیں نہ کہ خراج کے کیونکہ مسلمانوں کے زیادہ مناسب حال عشر ہی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عشر کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے۔ اسکا ثبوت یقینی ہے اور خراجی پانی کی وجہ سے اس کا سقوط ظنی ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ اس لئے عشر کی فرضیت اس شک سے ساقط نہ ہوگی۔ 36

یہ بات توجہ طلب ہے کہ انگریز حکومت نے جو نہریں کھدوائیں اور طے شدہ معاہدہ کے مطابق قیام پاکستان سے پہلے ان زمینوں کے آباد کرنے والوں کو ان کا مالک بھی قرار دے دیا اور قیام پاکستان کے بعد ہی نہریں انگریز حکومت کی بجائے حکومت پاکستان کی ملکیت و تصرف میں آگئیں۔

اس وجہ سے امام ابو یوسف کا قول دلیل کی روشنی میں زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔

پاکستان میں زمین کی شماریاتی تقسیم (statistical division of land):

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور اس کی قومی معیشت میں زرعی شعبہ کا بہت اہم کردار رہا ہے - اس ملک کی نصف سے زائد آبادی اسی شعبہ سے وابستہ ہے جس کی وجہ سے یہ شعبہ اس ملک کا زرمبادلہ کمانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے -

اس حقیقت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ملک کے اندر ہونے والی ذرائع آمدنی یعنی G. D. P. (Gross Dosmetic Produce) میں اس کا حصہ 24 فیصدی ہے -اسکی زمین کا 10 فیصدی حصہ شور اور 12 فیصدی حصہ کٹاؤ کا شکار ہے اور اسکی 25 فیصدی زرعی اراضی 50 ایکڑ سے زائد بڑے بڑے فارموں پر مشتمل ہے۔

جو زمین کسی وجہ سے کاشت کاری کے لئے میسر نہیں (Not Available for Cultivation) ہے اسکی تفصیل بالترتیب یہ ہے - 91-1990ء میں 24.37 ملین ہیکٹر - 92-1991ء میں 24.48 (M.H) 93-1992ء میں 42.35 (M.H) اور 94-1993ء میں 24.38 ملین ہیکٹر تھی - (ایک ہیکٹر = 2.47 ایکڑ)

- اسی طرح کل زمین جو زیر کاشت ہے اسکی تفصیل یوں ہے 91-1990ء میں 20.26 (M.H) 92-1991ء میں 21.06 ' 93-1992ء میں 21.40 اور 94-1993ء میں 21.46 ملین ہیکٹر -

جنگلات (FOREST) کا ایریا 91-1990ء میں 3.46 ' 92-1991ء میں 3.47 ' 93-1992ء میں 3.48 اور 94-1993ء میں 3.44 ملین ہیکٹر تھا۔

اسی طرح وہ زمین جو قابل کاشت (Culturable Waste) تو ہے مگر اس میں کسی وجہ سے مثلاً عدم دستیابی آب یا پانی کی قلت کی وجہ سے زیر کاشت نہیں لایا گیا وہ 91-1990ء میں 8.85 ' 92-1991ء میں 8.86 ' 93-1992ء میں 8.83 اور 94-1993ء میں 8.84 ملین ہیکٹر ہے - 37

حوالہ جات باب اول

1:- ابو جعفر احمد بن نصر الداؤدی: کتاب الاموال: مرکز احیاء التراث المغربی الرباط: ص:69-68

2:- بلاذری (فتوح البلدان) (بیروت 1887ء) ص:59

3:- مقدمہ ابن خلدون (اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی) ج:1، ص:394

4:- ابو یوسف: کتاب الخراج: (مطبعۃ السلفیہ قاہرہ) 1382ھ ص: 24

5:- نور محمد غفاری: اسلام کا قانون محاصل: ص: 103

6:- ابو عبید: کتاب الاموال: (قاہرہ 1353ھ) ص: 73

7:- تفسیر قرطبی: ج: 2، ص: 209 تا 210

8:- تفسیر قرطبی: ج: 4، ص: 68 تا 70

9:- تفسیر ضیاء القرآن: ج: 1، ص: 607 تا 608

10:- محمد بن اسماعیل بخاری: البخاری الجامع الصحیح: (کتاب الزکوٰۃ) (ترجمہ بخاری 1380ھ لاہور) ج 2: ص 94

11:- یحییٰ بن آدم: کتاب الخراج: (المکتبہ العلمیہ لاہور 1395ھ) ص: 114

12:- الموسوعۃ الفقیہ: (طبع دوم 1992ء وزارت اوقاف کویت) ج: 23، ص: 288

13:- شبلی نعمانی: الفاروق: مکتبہ القریش لاہور: ص: 212، و نور محمد غفاری: اسلام کا قانون محاصل: مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور: ص: 71

14:- الموسوعۃ الفقیہ: ج: 23، ص: 278

15:- ابن عربی: عارضۃ الاحوذی بشرح الصحیح الترمذی: ج: 3، ص: 315

16:- اسعد گیلانی: اسلام کا نظام عشر و زکوٰۃ: ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور: ص: 170

17:- بخاری: الجامع الصحیح: (کتاب الزکوٰۃ) ج: 2 ص 95

18:- یحییٰ بن آدم: کتاب الخراج: ص: 132

19:- السید سابق: فقۃ السنۃ: (باب زکوٰۃ الزروع والثمار) دار الکتاب العربی بیروت: ج: 1، ص: 310

20:- ڈاکٹر شیخ وھبہ الزوحیلی: الفقۃ الاسلامیۃ وادلتہ: دار الفکر دمشق: ج: 2 ص، 811

21:- شوکانی: نیل الاوطار: انصار السنۃ المحمدیہ لاہور: ج: 4، ص: 153

22:- ابوعبید: کتاب الاموال: ص: 487

23:- " " " " " " " " ص: 155

24:- ابویوسف: کتاب الخراج: ص: 52

25:- الموسوعۃ الفقیہ: ص: 288 تا 289

26:- ڈاکٹر وھبہ الزوحیلی: الفقۃ الاسلامی وادلتہ: ج: 2، ص: 810

27:- ابو یوسف: کتاب الخراج: ص: 6

28:- ابو داؤد: سنن: (کتاب الزکوٰۃ) مکتبہ امدادیہ ملتان 1316ھ

29 :- اطہر مبارکپوری: خلافت راشدہ اور ہندوستان : اسلامک پبلشنگ ہاؤس شیش محل روڈ اردو بازار لاہور : ص : 168

30 :- محمد ابن جریر طبری : تاریخ الامم و الملوک : (مطبعة الاستقامہ قاہرہ 1939ء)ج : 4 ' ص : 6

31 :- بلاذری : فتوح البلدان : ص :386

32 :- امام طبری : ج : 3 ' ص : 320

33 :- بلاذری : فتوح البلدان: ص : 384' و ابن اثیر: الکامل فی التاریخ بیروت 1945ء : ج : 3 ' ص :49

34 :- ڈاکٹر محمود الحسن عارف : "اراضی پاک و ہند کی شرعی حیثیت" : ماہنامہ حکمت قرآن مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اگست 1988ء شمارہ نمبر8 ص 34

35 :- مفتی محمد شفیع : اسلام کا نظام اراضی : دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی 1979ء ص : 178

36 :- سید عبدالشکور ترمذی : اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام : کتب خانہ جمیلی دارالعلوم اسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور : ص 79 تا 80

37 :- Agricultural Statistics of Pakistan : Ministery of Food and Agriculture, I/bad: P - 115

دوسراباب:۔

پاکستان میں مروجہ قوانین زرعی ٹیکس

فصل اول: پاکستان میں زرعی ٹیکس کے قوانین کا تاریخی پس منظر

فصل دوئم: زکوۃ و عشر آرڈیننس 1980ء

فصل سوئم: فنانس بل 1988ء میں زرعی آمدنی پر ٹیکس کا نفاذ

فصل چہارم: نیو اکنامک پیکیج کے تحت زرعی اثاثہ جات پر ٹیکس

فصل پنجم: وفاقی بجٹ برائے مالی سال 96-1995ء اور

وفاقی بجٹ برائے سال 97-1996ء

فصل ششم: صوبوں کو زرعی ٹیکس عائد کرنے کی ہدایت

پاکستان میں زرعی ٹیکس کے قوانین کی تاریخ:

پاکستان میں زرعی آمدنی بڑھانے اور کاشتکاروں کو سہولیات فراہم کرنے کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً مختلف حکومتوں نے زرعی اصلاحات کااعلان کیا جن میں دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ زرعی ٹیکس کے نفاذ کا تذکرہ بھی کیا گیا۔

30 جون 1959ء کو زرعی اصلاحات کمیشن رپورٹ کابینہ میں پیش کی گئی۔ اس کمیشن کے چیرمین اس وقت مغربی پاکستان کے گورنر جناب اختر حسین تھے۔ کابینہ نے اس کمیشن کی سفارشات کو منظور کر لیا اور ان کو عملی جامہ پہنانے کیلئے " اراضی کمیشن " "Land Commission" قائم کیا گیا۔ جس نے سارے ملک کی زمینوں کا سروے کر کے زمینوں کی پیداوری لیاقت و قابلیت کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ "پیداوری اکائیاں" "Prodcuce Index Unit" مقرر کی گئیں - ان اصلاحات کو1959 West Pakistan Land Reforms زیر Martial Law Regulation 64 کا نام دیا جاتا ہے۔ ان اصلاحات میں زرعی ٹیکس کے نفاذ کا ذکر نہیں ملتا۔ (۱)

1972ء کی زرعی اصلاحات میں آبیانہ اور زرعی ٹیکس کی ذمہ داری مالک زمین پر ڈالی گئی اور بیج و دیگر اخراجات مالک اور مزارع کے درمیان برابر برابر تقسیم کرنے کا اعلان تو کیا گیامگر زرعی ٹیکس کے نفاذ کے لیے کوئی مسودہ قانون پیش نہ کیا گیا اور نہ ہی اس کے لیے قانون سازی کی گئی۔ محض زرعی ٹیکس لگانے کا نام لے کر اسی پر ہی اکتفا کیا گیا۔

1977ء کی زرعی اصلاحات میں مالیہ ختم کر دیا گیا اور اس کی بجائے زرعی ٹیکس وصول کرنے کو کہا گیا۔ ساتھ ہی 25 ایکڑ بارانی زمین کو زرعی ٹیکس سے مستثنیٰ (EXEMPTED) قرار دے دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ 12ایکڑ نہری اور 25 ایکڑ بارانی زمین کے مالک کاشتکاروں کو مقامی ٹیکس اور مالیہ کی بھی 77-1976ء سے چھوٹ دے دی گئی - اس وقت کے وزیراعظم نے 5جون 1977ء کو زرعی اصلاحات کے سلسلے میں تقریر کی جس میں ان باتوں کی نشاندھی کی گئی۔

○ آج سے مالیہ ختم کیا جا رہا ہے اور زرعی آمدنی کو اسی ٹیکس کے تابع کیا جا رہا ہے جو غیر زرعی آمدنی پر لاگو ہوتا ہے۔

○ 25 ایکڑ نہری اور 50 ایکڑ بارانی سے کم زمین پر انکم ٹیکس نہیں لگایا جائے گا۔

○ ٹریکٹروں، زرعی مشینری و آلات، ٹیوب ویلوں اور زمین کو ہموار کرنے پر جو سرمایہ کاری ہوگی اس سال کی اتنی آمدنی پر انکم ٹیکس نہیں لگے گا۔

○ قابل ٹیکس آمدنی (TAXABLE INCOME) کا تعین کرتے وقت مجموعی آمدنی (Total Income) میں سے ایک معقول حصہ بطور CHARGES وصول کیا جائے گا۔

○ زرعی آمدنی کی تشخیص (ASSESSMENT) کے لئے ایک سادہ طریقہ مقرر کیا جائے گا اور ہر سال پندرہ دسمبر کو گوشوارے داخل کرنا ہونگے۔ ٹیکس دواقساط میں ادا کرنا ہو گا۔

○ زرعی آمدنی پر انکم ٹیکس اگلے مالی سال یعنی 78-1977ء سے لگایا جائے گا اور اس کا اطلاق موجودہ سال کی آمدنی پر ہو گا۔ (2)

اس کے علاوہ جو آرڈیننس جاری کیا گیا اس میں زرعی آمدنی کا تخمینہ لگانے کے طریقہ کار (PROCEDURE) اور قواعد و ضوابط تک بیان کر دیئے گئے تھے۔

یہ الفاظ کسی بھی سربراہ مملکت کی ترجیحات اور زرعی انقلاب و ترقی کی خاطر بظاہر واقعی بہت بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ معلوم ہوتے ہیں مگر اس کی عملی صورت سامنے نہ آسکی۔ دستور پاکستان 1973ء کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس تقریر میں جن آمدنیوں کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ ان میں سرفہرست زرعی آمدنی کا ذکر ہے۔ لہٰذا زرعی آمدنی کو ٹیکس نیٹ میں لانے کے لئے کوئی ترمیم یا قانون سازی نہ کی گئی۔ صرف زبانی اور کاغذی حد تک زرعی ٹیکس پر عملدرآمد کا نفاذ ہوتا رہا۔ دستور پاکستان 1973ء کے چوتھے شیڈول کی دفعہ 47 کے تحت درج ہے کہ مرکزی حکومت زرعی آمدنی کے علاوہ دیگر قسم کی آمدنی پر ٹیکس لگانے کی مجاز ہے۔ دفعہ 47 کے الفاظ یہ ہیں۔

"TAXES ON INCOME OTHER THAN AGRICULTURAL INCOME"

(3)

of State, the Salaries, allowances and privileges of the members of the Senate and the National Assembly; and the punishment of persons who refuse to give evidence or produce documents before committees thereof.

43. Duties of customs, including export duties.

44. Duties of excise, including duties on salt, but not including duties on alcoholic liquors, opium and other narcotics.

45. Duties in respect of succession to property.

46. Estate duty in respect of property.

47. Taxes on income other than agricultural income.

48. Taxes on corporations.

[1][49. Taxes on the sales and purchases of goods imported exported, produced, manufactured or consumed.]

50. Taxes on the capital value of the assets, not including taxes on capital gains on immovable property.

51. Taxes on mineral oil, natural gas and minerals for use in generation of nuclear energy.

52. Taxes and duties on the production capacity of any plant, machinery, undertaking, establishment or installation in lieu of any one or more of them.

53. Terminal taxes on goods or passengers carried by railway, sea or air; taxes on their fares and freights.

54. Fees in respect of any of the matters in this Part, but not including fees taken in any Court.

55. Jurisdiction and powers of all courts, except the Supreme Court, with respect to any of the matters in this list and, to such extent as is expressly authorised by or under the Constitution, the enlargement of the jurisdiction of the Supreme Court, and the conferring thereon of supplemental powers.

56. Offences against laws with respect to any of the matters in this Part.

57. Inquiries and statistics for the purposes of any of the matters in this Part.

---

1. Substituted by the Constitution (Fifth Amendment) Act, 1976 (62 of 1976), section 19, for the original entry 49 (w.e.f. September 13, 1976):

زرعی آمدنی پر ٹیکس کیوں نہیں لگایا جاسکتا؟ چونکہ اس کی خاطر آئین میں ترمیم کرنا لازم ہے جو کہ قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت سے ہی ممکن ہے۔ اس لئے کوئی حکومت بھی ان ارکان اسمبلی (جن میں 87 % بڑے بڑے زمیندار ہیں) کی ناراضگی مول نہیں لینا چاہتی۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہ مسئلہ اب تک التواء میں پڑا ہے۔

پھر 5 جولائی 1978ء کو پہلی حکومت کو ختم کرکے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ سابقہ حکومت کی انقلابی زرعی اصلاحات بشمول زرعی ٹیکس کے آرڈیننس کی مخالفت کرتے ہوئے ملک کے بڑے بڑے زمینداروں نے زرعی ٹیکس کے خاتمہ اور پرانے مالیہ سسٹم کو بحال کرنے پر زور دیا۔ چنانچہ حکومت نے ان کے مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے زرعی آمدنی ٹیکس کے قوانین کو منسوخ کر دیا۔

اس وقت کے وفاقی وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق نے زرعی ٹیکس کے نفاذ کا ایک مسودہ قانون مرتب کرنے کے لئے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ تو ضیاء الحق مرحوم نے انھیں کہاکہ کم ازکم ان کے حلقہ انتخاب کا خیال رکھا جائے۔ جن فوجی افسروں کی زمینیں ہیں۔ وہ تو ان کے خلاف باتیں کرنے لگے ہیں۔ سول والوں پر جو ٹیکس چاہیں لگائیں۔ فوجی زمینداروں کو چھوڑ

دیں۔ لہٰذا ان کی خواہش پر وزارت خزانہ کے افسروں نے ایک عجیب نسخہ جھٹ تیار کر لیا۔ اور کہا کہ Fixed Income group (فکسڈ انکم گروپ) پر زرعی ٹیکس نہ لگائیں۔ اس طرح فوج کا نام لئے بغیر ہی کام چل جائے گا۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ فوجی جرنیلوں اور بڑے بڑے افسروں کو مختلف بیراجوں پر پانچ پانچ سو ایکڑ زمین دینے اور اس کے علاوہ سرحدی علاقوں میں بھی کئی مختلف سکیموں کے تحت وسیع قطعات اراضی بھی الاٹ کئے گئے۔ اس بات سے ہرگز انحراف نہیں کیا جاسکتا کہ یہ قطعات ان افسروں کی شجاعت و دلیری اور دیگر غیر معمولی قومی خدمات کے اعتراف کے طور پر عطا کئے گئے ہوں گے۔ مگر یہ امر غیر شرعی ہے کہ ان سے ان زمینوں کی آمدنی پر ٹیکس نہ عائد کیا جائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مجاہدین میں جاگیریں تقسیم کی تھیں۔ لیکن انھیں زراعتی ٹیکس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا تھا۔

اسی طرح جونیجو دور حکومت میں بھی ڈاکٹر محبوب الحق بطور وفاقی وزیر خزانہ اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ انھوں

نے زرعی اصلاحات و زرعی انکم ٹیکس کی تجویز پیش کی تو اس وقت کی حکومت میں شامل و دیگر اراکین اسمبلی نے ان کی ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے 94 / 12 / 31 کو روزنامہ "خبریں" کو ایک تفصیلی انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ پاکستان میں اس جاگیردار طبقہ کے پاس اربوں روپے ہیں۔ جو ہماری قومی آمدنی کا 10فیصدی ہے۔ ان کا یہ روپیہ زمینوں سے آتا ہے اور وہ اس پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس نہیں دیتے۔

زکوۃ و عشر آرڈیننس 1980ء کا اجراء:

حکومت پاکستان نے ایک مستحسن قدم اٹھا کر اسلام کے نظام مالیات کو روشناس کرانے کی کوشش کی اور 6 شعبان المعظم 1400ھ بمطابق 20 جون 1980ء کو زکوۃ و عشر آرڈیننس 1980ء جاری کیا۔ زکوہ سے متعلقہ دفعات کا اطلاق فورا ہوگیا۔ مگر عشر سے متعلقہ دفعات کا آغاز دو سال بعد 83 - 1982ء سے ہوا۔

نظام عشر کے نفاذ سے اسلام کی نظریاتی اساس کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت امیدیں وابستہ کی جاسکتی تھیں کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پر آشوب دور میں چاروں اطراف سے لا دینی افکار و نظریات کی یلغار ہو رہی تھی۔ مجموعی حیثیت سے اس نظام کے اجراء کو نفاذ شریعت اسلامی کی طرف ایک اہم قدم قرار دیا جا سکتا تھا۔ جس میں اگر افہام و تفہیم اور باہمی مشاورت سے چند اصلاحات و ترامیم کر دی جاتیں اور قدم آگے بڑھانے کی جدوجہد جاری رکھی جاتی۔ تو معاشی میدان میں پاکستان اس منزل تک پہنچ جاتا۔ جو کہ ملک و ریاست کے لئے قابل تقلید ہوتی مگر چند وجوہات کی بناء پر ایسا نہ ہو سکا۔ بلکہ اس آرڈیننس کو شرعی تقاضوں کے مطابق قابل عمل بنانے کے لئے کوئی موثر کوشش بھی نہ کی گئی۔ کسی نے اس اقدام کی تعریف کی کسی نے اس کے نقائص کی نشاندہی کی۔ لیکن اس سے ہرگز یہ مراد نہیں تھا کہ اس آرڈیننس کی ترویج کو ترک کر دیا جاتا۔ بلکہ قابل اصلاح پہلوؤں پر غور و فکر کرنے کے بعد اس آرڈیننس کو بہتر طریقے سے قابل عمل بنایا جاسکتا تھا۔ زکوۃ و عشر ڈویژن وزارت خزانہ حکومت پاکستان نے اس آرڈیننس کی بعض دفعات میں ترمیم کرکے اب

"Zabat & ushr aordinance,1980 No.xviii of 1980 Corrected upto October 2 nd,1994"کے

نام سے شائع کیا ہے۔

اس نظرثانی شدہ (Revised) آرڈیننس کی ہیئت کا اب یوں مرحلہ وار جائزہ لیا جاتا ہے۔

اس آرڈیننس کی شق نمبر5 (i) کے تحت "Charge & collectin of ushr" کے عنوان سے لکھا ہوا ہے کہ اس آرڈیننس کی بعض دوسری شقوں کے ساتھ عشر حکما(Compulsoary Bases) اکٹھا کیاجائے گا۔ (ب)
شریعت اسلامیہ کی رو سے عشر آرڈیننس کی یہ شق بالکل درست ہے ۔کیونکہ عشر جو زمین کی پیداوار کی زکوۃ ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ وہ اسے رضاکارانہ طور پر ادا کرے۔ لیکن اگر اسلامی ریاست غریبوں اور محتاجوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے زکوۃ خود وصول کرنے کا اہتمام کرے تو لوگ حکومت کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے عشر ادا کریں۔ اس سلسلے میں اگر عوام تعاون نہ کریں یا زکوۃ دینے سے انکار کریں تو اسلامی حکومت ان پر سختی کرے۔ نیز انکے خلاف جہاد کرنے کی بھی مجاز ہے۔

اس کی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں منکرین زکوہ کے خلاف جہاد کے لئے لشکر تشکیل دینا تھا۔ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس نازک دور میں بھی جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بہت سی دیگر مشکلات کا سامنا تھا۔ اس لشکر کشی کو وقتی طور پر مصلحتاً ترک کرنے کی تجاویز پیش کی گئیں ۔ یہ بھی کہا گیا کہ جن لوگوں نے کلمہ طیبہ پڑھا ہے۔ ان کے خلاف جہاد نہیں کیا جاسکتا۔ مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ جس ہستی نے یہ لشکر اور قائد لشکر تشکیل دیا تھا۔ ان کی نظر انتخاب مجھ سے کہیں بہتر تھی اور مزید فرمایا کہ جو شخص آپ ﷺ کے مبارک دور میں ایک رسی بھی زکوہ دیتا تھا اور اب نہیں دیتا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ اور یہ حق ضرور وصول کروں گا۔

اسی سیکشن 5 اور 6 کے تحت مالک زمین، گرانٹی، الاٹی، ٹھیکہ پر زمین لینے والا لیز ہولڈر، پٹے دار اور قابضین زمین کے ایک ہی معانی لئے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ قوانین زمین کے انتظام کے متعلق ہیں اور زمین والا ایسا شخص ہوتا ہے۔ جس کے قبضہ و ملکیت میں زمین کا کوئی پلاٹ وقطعہ ہوتا ہے اوراس نے اس میں کوئی فصل بوئی ہو۔ (ک)
اس شق پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تمام قسم کے لوگوں کو ایک ہی حکم میں رکھاگیا ہے۔ حالانکہ ان تمام قسم کے

افراد کے پیداواری اخراجات و آمدنی الگ الگ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کرایہ دار زمین کا کرایہ دیتا ہے۔ ٹھیکیدار ٹھیکہ ادا کرتا ہے۔ پٹے دار جس سکیم کے تحت زمین کاشت کرنے کے لئے حاصل کرتا ہے وہ اس کے عوض حکومت یا مالک زمین کو رقم ادا کرتا ہے۔ چاہئیے یہ تھا کہ اس آرڈیننس میں ان کے یہ اخراجات منہا کرنے کا اہتمام کیا جاتا۔

بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم محنت والی زمینی پیداوار کا 1/10 حصہ اور زیادہ محنت و اخراجات والی زمین کی پیداوار

کا 1 / 20 حصہ یعنی عشر اور نصف عشر کی خصوصی رعایت دے کر پیداواری اخراجات (Cost of Prodvction) کی پہلے ہی سے معقول رعایت دے دی ہے۔ اور مالک پیداوار کے لئے رعایت یعنی (Allowances) بالترتیب پیدوار کا 1/3 حصہ یا 1/4 حصہ فصل کا تخمینہ لگاتے وقت منہا کرنے کا اختیار بھی دیا ہے جس کی روشنی میں بارانی زمین کی پیداوار کا 25% یعنی 1/4 حصہ اور نہری و ٹیوب ویل سے کاشت ہونے والی زمین کی پیداوار کا 33% یعنی 1/3 حصہ زکوۃ و عشر آرڈیننس 1980ء میں بھی بطور رعایت منہا کیا گیا ہے۔ یہ بھی شریعت اسلامی کے قوانین عشر کے عین مطابق ہے۔

مگر اس قانون میں الجھن یہ ہے کہ کاشت کار یا مالک پیداوار کے لئے یہ عمومی رعایت (General concession) تو ضرور ہے لیکن کرایہ پر زمین لے کر کاشت کرنے والے، ٹھیکہ ادا کرنے والے اور اپنی زمین کو خود کاشت کرنے والے مالک پیداوار کے وسائل و مسائل اور اخراجات الگ الگ نوعیت کے ہونے کی وجہ سے ان کو الگ الگ (Allowances) دیے جانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ خود کاشت کرنے والے شخص پر زمین کا کرایہ نہیں ہوتا۔ اسکے برعکس لیز ہولڈر، ٹھیکیدار اور پٹے دار کو باقی اخراجات کے علاوہ اضافی خرچ یعنی کرایہ و قرض بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز تابعین کے درمیان بھی اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ زمین کا کرایہ و قرض اور صرف پیداوار پر ہی اٹھنے والے دیگر متفرق اخراجات عشر کی ادائیگی سے قبل منہا کئے جائیں یا نہیں □ ایک گروہ کی

جس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طاؤس، عطاء مکحول اور حضرت امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں رائے یہ ہے کہ پیداواری اخراجات برداشت کرنے کے لئے جو قرض لیا جائے یا دیگر متفرق اخراجات مثلاً کرایہ زمین جو صرف پیداوار ہی پر اٹھے ہوں، عشر لگاتے وقت منہا کئے جائیں گے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور فقہائے احناف کے نزدیک عشر زمین کی پیداوار میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے جسے سوائے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساقط نہیں کیا جاسکتا۔ (اسکی تفصیل پہلے باب میں گذر چکی ہے)

یہ قابل غور بات ہے کہ 25 ایکڑ کے کرایہ زمین اور ٹھیکہ ادا کرنے والے کاشت کاروں کی زرعی پیداوار کی آمدنی سے ان کے اخراجات اوسطاً 70 فیصدی زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے ملک کے 40 فیصدی کاشت کار مزارع ہیں جو پیداوار کا 50 فیصدی مالکوں کو دیتے ہیں۔

عشر آرڈیننس 1980ء پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر علی محمد چوہدری و ڈاکٹر بشیر احمد نے یوں لکھا ہے کہ وفاقی بجٹ 1982-83ء کے مطابق پاکستان کے کسانوں کو اگلی فصل ربیع سے عشر ادا کرنا پڑے گا۔ پیداواری اخراجات کل آمدنی کے 25 فیصدی کے برابر تصور ہونگے۔ باقی 75 فیصدی پیداوار پر 5 فیصدی کے حساب سے عشر عائد کیا جائے گا اور 948 کلو گرام تک گندم کی پیداوار کی کسانوں کو چھوٹ حاصل ہوگی۔ جس زمین پر عشر لاگو ہوگا اس پر سے مالیہ نہیں لیا جائے گا۔ عشر زراعت پر ایک شرعی ٹیکس ہے اور اسکی حقیقت کو چیلنج کرنے کی کوئی بھی جسارت نہیں کرسکتا۔ البتہ جس نوعیت و شکل میں یہ نافذ کیا جارہا ہے۔ وہ غیر تسلی بخش اور قابل تنقید ہے۔ بجٹ میں عشر کا اندازہ لگانے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق 30 یا 40 روپے فی ایکڑ گندم ہے جو زیادہ قابلیت والی زمین کی پیداوار پر 100 روپے یا اس سے زیادہ تک بھی ہوسکتا ہے۔ پیداواری اخراجات (Cost of production) کے متعلق انہوں نے ایک مکمل Data تجربہ کار ماہرین زراعت اور زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں زیر تعلیم پنجاب کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے 750 کسانوں کے اشتراک سے تیار کیا ہے جس کے مطابق 40 فیصدی کسان مزارع ہیں اور وہ پیداوار کا نصف حصہ بطور کرایہ زمین مالک کو ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا مزارع کا 50 فیصدی حصہ بطور کرایہ زمین ادا کرنا

بھی جائز خرچ ہے اسے بھی خرچ (Cost) تصور کیا جانا چاہیے - اسی طرح کچھ مالکان اراضی نے زمین خریدی ہوتی ہے اور اس پر ان کی خطیر رقوم خرچ ہوتی ہیں وہ بھی رعایت کے حقدار ہیں -

ایک مزارع جو زرعی فارم بناتا ہے اگر اسکی پیداوار میں سے کرایہ نکال بھی دیا جائے تب بھی اس کے اخراجات 25 فیصدی زیادہ ہوتے ہیں - اگر کاشت کار خود مالک ہو تو پھر بھی اسکے اخراجات اس کی آمدنی سے 11 تا 18 فیصدی زیادہ ہوتے ہیں - مگر جن لوگوں نے زمین اپنے آباؤ واجداد سے حاصل کی ہوتی ہے ان کی زمین کے کرایہ کا فائدہ بطور خرچ وضع کرنے کی مختلف نوعیت ہوتی ہے - لہٰذا یہ تجویز ہے کہ وہ لوگ جنہیں عشر کے نفاذ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ زرعی سیکٹر پر ٹیکس لگانے سے پہلے خرچ اور آمدنی کا صحیح اندازہ و تجزیہ ضرور کرلیں - اور مارکیٹ اور شہروں سے دور دیہی علاقوں کے کاشت کاروں کے اضافی اخراجات پر بھی غور کیا جائے -

نقدی کی صورت میں عشر کی وصولی زیادہ آسان ہوگی اس کا اندازہ(Farm Gate price) کی بنیاد پر لگایا جائے کیونکہ سرکاری سطح پر یا بجٹ میں مقرر کردہ قیمتیں فارم گیٹ قیمتوں کی ہرگز نمائندگی نہیں کرتیں - حکومت نے ان کاشتکاروں کے سٹورز اور فارمز ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیئے ہیں جن کی پیداوار 948 کلو گرام گندم یا اس سے کم ہو - اس تفریق سے بدعنوانیوں میں اضافہ ہونے کے زیادہ امکانات موجود ہیں - لہٰذا زرعی اثاثہ جات کی ایسی مناسب وضاحت کی جائے یا اسکا کرایہ مقرر کیا جائے تاکہ یہ سہولت و رعایت دیگر تمام مالکان اراضی کو بھی میسر ہوسکے - (6)

لہٰذا یہ واقعی قابل تحقیق پہلو ہے کہ کون کون سے پیداواری اخراجات (Cost of production) تشخیص عشر کے وقت منہا کئے جائیں اور کون سے منہا نہ کئے جائیں - کیونکہ عشر کے مقابلے میں جب کوئی دوکاندار اپنا گوشوارہ آمدنی دیتا ہے تو وہ اس میں ایک (Computation Chart)

منسلک کرتا ہے جس میں کل فروخت اور کل آمدنی (Gross Receipts) درج ہوجاتی ہے۔ اور پھر جو اخراجات اس آمدنی سے نکالے جاتے ہیں ان میں کرایہ دوکان (سالانہ) خاطر تواضع (Entertainment) پر خرچ ہونے والی رقم ٹیلیفون بل چوکیدار کی تنخواہ اور ملازموں کی تنخواہ وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں - اس لحاظ سے دوکاندار تیس ہزار کی بنیادی چھوٹ (Basic Exemption) کی آڑ

میں تمام اخراجات نفی کرکے بہت کم خالص آمدنی (Net Income) ظاہر کرنے کے بعد اس میں سے بنیادی چھوٹ نکال کر باقی قابل ٹیکس آمدنی پر ٹیکس ادا کرتا ہے - اس لئے عشر کی تشخیص کرتے وقت 1/3 یا 1/4 حصہ کی رعایت کے علاوہ زمین کا کرایہ و ٹھیکہ منہا کرنے کی سہولت ہونی چاہئیے - اس آرڈیننس کی یہ شق قابل ترمیم ہے تاکہ کاشت کاروں کی سہولت کو مدنظر رکھا جاسکے - زکوۃ و عشر آرڈیننس 1980ء کے صفحہ نمبر 11 پر شق نمبر 5 کے ذیلی جزو (5) میں عشر کی وصولی (Collection) کا ذکر یوں کیاگیاہے -

(Ushar shall be Collected in Cash) یعنی عشر نقدی کی صورت میں وصول کیا جائے گا۔ اس ضمن میں لگائی جانی والی نقد عشر کی وصولی کی پابندی غلط ہے - اس میں وصول کرنے والے عملے کے لئے بے شک بہت آسانی ہے لیکن عشر گزاروں کے لئے دقت ہے - کیونکہ کاشت کار ہمیشہ اجناس فروخت کرنے کے بعد ہی نقد رقم کی صورت دیکھ سکتا ہے - اس لئے اس شق میں تبدیلی (Amendment) کرکے یہ امر مالک پیداوار پر چھوڑدیا جائے کہ وہ چاہے تو بصورت جنس ادا کرے اور چاہے تو بصورت نقدی -

نصاب:

اس آرڈیننس کی روسے عشر کا موجودہ نصاب 5 وسق گندم یا دوسری اجناس یا اس کے برابر قیمت / مالیت مقرر ہے - اور پانچ وسق سے کم پیداوار کے مالک کو عشر کی چھوٹ (Exemption) دی گئی ہے - بعض افراد کے نزدیک یہ بات نہ صرف فقہی نقطہ نظر سے غلط ہے بلکہ عشر کے مقاصد یعنی "غربت و افلاس کو ختم کرنے" کے بھی خلاف ہے - ان کا یہ اعتراض بھی ہے کہ یہ نصاب متنازعہ فیہ ہے - اس اعتراض کا کوئی جواز نظر نہیں آتا کیونکہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے فرامین "قال لیس فیما اقل من خمسة اوسق صدقة اور قال فی خمسة اوساق الزکوة" کی روشنی میں صاف طور پر پانچ وسق کے نصاب کا ثبوت موجود ہے - اس مسئلے سے متعلق حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کہ عشر کا کوئی نصاب نہیں - یہ ہر قلیل و کثیر مقدار پیداوار پر واجب ہے - احادیث نبویہ ﷺ جن میں پانچ اوسق سے کم پیداوار پر زکوۃ نہ ہونے اور پانچ اوسق پیداوار پر ہی زکوۃ کے واجب ہونے کا بیان ہے سے متعارض ہے اور یہ رائے شریعت اسلامی کے اس عمومی نظریے کے بھی خلاف ہے کہ زکوۃ صرف اغنیاء پر واجب ہے اور نصاب ہی وہ کم سے کم مقدار ہے جس سے غنٰی یعنی مالداری کا علم ہوسکتا ہے - اس لئے شریعت نے تمام اموال زکوۃ میں نصاب مقرر کیا ہے - (7)

"لایکون دول ے بین الاغنیاء منکم وفی اموالھم حق للسائل والمحروم وخذ من اموالھم صدق ے" سے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے یہ نہ تو عشر کی مقصدیت کے خلاف ہے اور نہ ہی متنازعہ فیہ ہے -

فصلوں کی پیداوار کا اندازہ لگانا:

اس آرڈیننس کے تحت تمام فصلوں کا تخمینہ اوسط(Estimate Average production) سے بھی کم یعنی کم اوسط پیداوار کے مطابق لگایا جاتا ہے اور ساتھ ہی اجناس کی قیمتیں بھی اوسطا نہیں بلکہ وہ بھی اوسط درجے سے بھی کم لگائی جاتی ہیں - یہ اقدام بے شک کاشتکاروں کی سہولت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے - اور اس سے عشر کی ادائیگی کا حکومتی ترغیبی پہلو بھی موجود ہے مگر یہ طریقہ غیر مناسب ہے کیونکہ پیداوار کا صحیح صحیح اندازہ لگانا اور

اجناس کی اصلی قیمتوں کا تعین کرنا ہی شرعی تقاضوں کے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے - اور اسمیں کی بیشی کا احتمال بھی باقی نہیں رہتا- لہذا زکوۃ و عشر آرڈیننس 1980ء میں مقررکردہ نصاب عشریعنی "پانچ وسق" زیادہ موزوں اور مناسب نظر آتا ہے - اور فرامین الٰہی کی روح کے مطابق ہے -

اس عشر آرڈیننس کی خامی یہ ہے کہ فقہ جعفریہ کے ماننے والوں سے عشروصول کیا جائے گا یا نہیں اور اگر وصول کیا جائے گا تو کس کس پیداوارپر اور کس شرح سے □اس آرڈیننس میں اس کا ذکر کہیں موجود نہیں ہے۔ (8)
عشر کی تشخیص (Assesment) کا طریقہ بھی غیر تسلی بخش اور اسلامی رواج سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ اندازہ لگانے والے فصل پکنے سے پہلے ہی سروے کرلیتے ہیں حالانکہ "واتواحقہ یوم حصادہ" کی مناسبت سے فصل کٹنے کے دن کی تخصیص ملتی ہے یہ بھی قابل ترمیم پہلو ہے -

عشر آرڈی نینس 1980کی شق نمبر6میں"Mode of assesment and Collection of ushr"کے تحت درج ہے کہ صوبائی محکمہ مال عشر کی تشخیص اور وصولی مجوزہ طریقے سے جو بھی اس آرڈیننس کے تقاضوں کے مطابق ہوا کرے گا۔ عاملین عشر کی عمومی کارکردگی کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ محکمہ مال نے اس سلسلے میں شروع شروع میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ 83-1982ء سے 88-1987ء تک عشر کی تشخیص اور وصولی تقریبا 87 فیصد تک پہنچ گئی - پھر یہ شرح 89-1988ء میں کم ہوکر 72 فیصد تک آگئی - 90-1989ء میں یہ شرح 37 . 45 فیصداور 91 - 1990ء میں 28 . 56 فیصد اور پھر 92 - 1991ء میں یہ شرح 78 . 27 فیصد تک گر گئی اور بالاخر 93-1992ء میں عشر کی تشخیص اور وصولی کی شرح بہت زیادہ حد تک یعنی 75 فیصد کم ہوگئی - اس صورت حال کی وجوہات معلوم کرنے کے سلسلے میں ضلعی عشر کمیٹی فیصل آباد کے عشر کلرک اور تحصیلدار نے بتایا کہ گذشتہ تیرہ سالوں کے عرصہ کے دوران 2364 ملین روپے بطور عشر تشخیص کئے گئے جن میں سے 1868 ملین روپے کی وصولی بھی ہوئی مگر بعد میں وصولی تو درکنار (Assesment) بھی نہ ہوسکی اور نہ ہی تشخیصی نوٹس کاشت کاروں کو بھجوائے جاسکے - (9)
اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ متعلقہ ڈپٹی کمشنر صاحب چھ چھ ماہ اور ایک ایک سال تک اپنی میز پر تشخیص شدہ نوٹسوں پر دستخط تک نہ کرتے تھے۔ غالبا بعد میں انہیں اس کام کے لئے وقت ہی نہیں ملتا تھااور نہ ہی نوٹس

زمینداروں تک پہنچانے کا کوئی خاص اہتمام کیاگیا بلکہ متعلقہ قصبوں و گاؤں کے نمبردار حضرات کو بھیجے گئے۔ نوٹس متعلقہ کاشت کاروں تک بھی نہ پہنچائے گئے - اس کے علاوہ اتنے سالوں میں سوائے عشر کلرکوں کی ایک تربیتی ورکشاپ کے عشر انتظامیہ نے اس محکمہ کے اہل کاروں کی تربیت کا کوئی انتظام ہی نہیں کیا۔ اور اب صورت حال یہ ہے کہ تمام عشر کمیٹیوں کا ریکارڈ سر بمہر کرکے متعلقہ ضلع کے ڈپٹی کمشنروں کے دفاتر میں رکھ دیا گیا ہے - اور اب اس نظام کو دوبارہ اچھے اسلوب سے شروع کرنے کا انتظام کیا جارہا ہے۔ مرکزی زکوٰۃ انتظامیہ کے مطابق تمام صوبوں کے محکمہ مال کے افسروں نے عشر اکٹھا کرنے کی خدمت کے بدلے میں معاوضہ کا مطالبہ کیا ہے - جس کے بارے میں متعلقہ محکموں کے مابین بات چیت ہورہی ہے - اور اگر یہ معاملہ طے پاگیا تو اس نظام کو فی الفور شروع کردیا جائے گا۔ تاہم اس کام کی رفتار خاصی سست نظر آتی ہے -

اس سے قبل 92-1991ء میں نئی حکومت نے صوبائی محکمہ مال سے تمام اختیارات واپس لے لئے - تمام زکوٰۃ و عشر کمیٹیاں توڑدیں اور تمام انتظامات وفاقی حکومت کے سپرد کردئے اور نئے سرے سے ملکی سطح پر زکوٰۃ کمیٹیوں اور بیت المال کے چیئرمین و وائس چیئرمین مقرر کئے۔ مگر یہ بات افسوس ناک ہے کہ عالم وفاضل انتظامی صلاحیت رکھنے والے اچھے باکردار افراد کو فراموش کرتے ہوئے تمام تقرریاں صرف اور صرف سیاسی وابستگیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کی گئیں - پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ان مقرر کردہ عہدیداروں کے مطالبہ پر بھاری رقوم خرچ کرکے انہیں نئی جیپیں (Jeeps) اور موٹر سائیکلیں خرید کردی گئیں۔ حالانکہ اس سے پہلے یہی کام سرانجام دینے والے لوگوں نے اسی طرح کی سہولت حاصل کئے بغیر یہ سعادتیں حاصل کیں -

موثر و بااختیار محکمہ احتساب کا عدم وجود:

اسلامی اقدار کے تحفظ کی خاطر اسلامی ریاست میں ایک موثر اور بااختیار ادارہ احتساب کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے قواعد و ضوابط کو اسلامی نظام عدل سے ہم آہنگ کر کے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

موجودہ نظام عشر میں اس کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے کہ مرکزی زکوٰۃ فنڈ کی سالانہ یا اس سے کم مختصر وقتوں پر آڈٹ کرانے کے لئے۔صوبائی زکوٰۃ کونسل آڈیٹروں کو مقرر کرے گی۔ جو ایسے اشخاص ہوں گے جو کہ چارٹرڈ اکاونٹس آرڈیننس 1971ء کے مفہوم میں چارٹرڈ اکاونٹنٹ ہوں۔ کسی ضلع میں مقامی زکوٰۃ فنڈ کا سالانہ یا اس سے کم مختصر وقتوں پر آڈٹ کرانے کیلئے ضلعی کمیٹی آڈیٹروں کو مقرر کرے گی۔ اسی طرح مقامی زکوٰۃ کونسل آڈیٹروں کو مقرر کرے گی جو ایسے اشخاص ہوں گے جو اس کی رائے میں اس کام کے اہل ہوں" (10)

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے" اسلامی اقدار کے تحفظ کے لئے ادارہ احتساب کی ضرورت" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ موجودہ مسودہ قوانین پر نظر ثانی کر کے اسے اسلامی دیوان مظالم یا ادارہ مظالم کی اچھی روایات سے ہم آہنگ کر دیا جائے تو ہم یقینی طور پر اسلامی درخشندہ روایات کو زندہ کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ مگر موجودہ نظام عشر میں وہ احتسابی خلاء موجود ہے جو اسلامی ریاست میں عامتہ الناس (Public) کی امانتوں میں خیانت کرنے والوں کا محاسبہ کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ (11)

فنانس بل 1988ء:

" فنانس بل 88-1987ء میں زرعی آمدنی کو دوسری قابل ٹیکس آمدنی میں ضم (Club) کرنے کا حکم "

حکومت پاکستان نے فنانس بل 88-1987ء میں زرعی آمدنی کو دیگر Taxable Income میں شامل کرنے کا حکم زیر "Notification No.S.R.O. 766 (1) /88 Dated sep 1988" جاری کیا جس کے مطابق یکم جولائی 1987ء سے کاروبار کرنے والے مالکان زرعی زمین یعنی جو ٹیکس گذار (Assesees) ہوں یا کسی کمپنی کے ڈائریکٹر وغیرہ ہوں، کی زرعی آمدنی کو کاروباری آمدنی (Business Income) میں "For The Rate Purpose" کے کلیہ کے تحت شامل کر دیا گیا۔

زیر عنوان

"Inclusion of Agricultural Income In Total Income" یعنی اگر کسی شخص کی کاروباری آمدنی پچاس ہزار روپے ہے تو اس میں سے بنیادی چھوٹ تیس ہزار روپے نکال کر باقی قابل ٹیکس آمدنی یعنی بیس ہزار روپے پر 10 فیصد کی شرح سے ٹیکس مبلغ -/2000 روپے بنتا ہے - اسی طرح اگر اس شخص کی زرعی آمدنی بھی پچاس ہزار روپے ہے تو اس پر بھی ٹیکس دو ہزار روپے بنے گا اور یہ دونوں ٹیکس یعنی کل ٹیکس چار ہزار روپے بنے گا۔ پھر اس ٹیکس میں سے درج ذیل فارمولے کے مطابق جو ہندسہ آئے گا وہ بطور رعایت اس ٹیکس سے منہا کرکے باقی رقم بطور ٹیکس واجب الادا ہوگی - رعایت (Rebate) کا فارمولا یہ ہے:-

$$\text{Rebate} = \frac{\text{Total tax X Business income}}{\text{Total income}} \quad (12)$$

$$\text{یعنی خصوصی رعایت} = \frac{\text{کاروباری آمدنی X کل ٹیکس}}{\text{کل آمدنی}}$$

اس قانون میں چونکہ زرعی آمدنی کو ٹیکس کے لئے دوسری آمدنی میں شامل کرنے کی شرائط میں مالک زرعی زمین کا ٹیکس گزار ہونا یا کسی کمپنی کا ڈائریکٹر ہونا شامل تھا لہٰذا زمیندار یہ کہہ کر چھٹکارہ پالیتے تھے کہ فلاں کاروبار میرا نہیں ہے - یعنی میرے نام نہیں ہے یا اگر کاروبار اس کے نام پر ہے تو پھر زرعی زمین کا انتقال اسکے نام نہیں وغیرہ وغیرہ - یہ ایسی صورت حال ہے جس سے مروجہ نظام زرعی محاصل کے نقائص دور کرنے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی اور نظام معیشت کو استحکام حاصل نہیں ہوسکتا۔ اب ٹیکس گزار ہونے کی شرط واپس لے لی گئی ہے -

اسکے علاوہ دوسرا فائدہ زمینداروں کو یہ بھی حاصل تھا کہ دولت ٹیکس ایکٹ کی رو سے سیکشن 2 اور 4 کی Explanation No.1,II,III کے تحت ویلتھ ٹیکس افسر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ میاں بیوی کی الگ الگ جائیداد کو A.O.P (Association of Persons) بنا کر ٹیکس لگانے کی خاطر اکٹھی (Club) کرسکتا ہے - اور مزید یہ کہ دولت ٹیکس افسر کسی بھی کم سن بچے کو اسکی والدہ یا والد کے ساتھ منسلک (Attached) کرکے TAX لگانے کا بھی مجاز ہے - مگر زرعی اراضی کے مالکان کو یہ سہولت بھی دے دی گئی کہ مذکورہ اختیارات کے برعکس ان کی آمدنی کو اکٹھا (Club) نہیں کیا جاسکتا - درحقیقت یہ واقعی بڑی

امتیازی سہولت زمینداروں کو میسر ہے جو شرعی اصولوں کے عین مطابق بھی ہے۔

اس قانون میں یہ ایک نمایاں خامی ہے کہ اس کے تحت داخل کردہ گوشواروں میں زرعی آمدنی کی تفصیل یعنی کل رقبہ۔ کل آمدنی و دیگر کوائف فراہم کرنے کی شرط نہیں۔ جو دور اندیش ٹیکس گزار زمیندار اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ زرعی آمدنی کی مد" "Under head of Agricultural income" میں دو چار سال کے گوشواروں میں آمدنی ظاہر کر کے ٹیکس ادا کر دینے کے چند سال بعد بڑے پیمانے پر کاروباری یونٹ لگالیتے ہیں اور محکمانہ انکوائری پر وہ یہ کہہ کر نجات پالیتے ہیں کہ وہ ان کی زرعی آمدنی ہے اور اسے گوشواروں میں ظاہر (Show) کر چکے ہیں۔ اس طرح وہ "Concealment Case" (آمدنی چھپانے کے کیس) سے بری ہو جاتے ہیں ورنہ "Income Tax Ordinance 1979" کے سیکشن 13 کے تحت غیر وضاحت شدہ سرمایہ (unexplained investment) سارا Taxable ہوتا ہے اور پھر اس پر عائد شدہ ٹیکس کے برابر جرمانہ (Concealment Penalty) بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ کوئی معمولی رعایت نہیں۔ جو زمینداروں کو حاصل ہے۔ اس کے علاوہ زمیندار زرعی آمدنی سے بڑے بڑے پلازے، شاپنگ سنٹرز اور کاروباری مراکز اور بڑے بڑے عالیشان محلات خرید کر ان سے روزانہ، ماہانہ اور سالانہ بڑی بڑی آمدنیاں حاصل کرتے ہیں مگر وہ اس کروڑوں، اربوں روپے کے سرمایہ پر انکم ٹیکس ادا نہیں کرتے کیونکہ انکم ٹیکس آرڈی نینس 1979ء کی رو سے زرعی آمدنی ان میں شامل ہے جن آمدنیوں پر انکم ٹیکس نہیں ہے۔

لہٰذا" "Basic Invested Capital" کی تصریح (Clarification) بذات خود کاروباری حضرات کے لئے بنیادی مشکل مرحلہ ہوتا ہے یعنی یہ بات واضح کرنی کہ اس کاروبار کو شروع کرنے میں جو کروڑوں اربوں روپے خرچ کئے گئے ہیں وہ کہاں سے اور کس ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں اور اگر اس کی تسلی بخش وضاحت نہ ہو تو یہ سرمایہ سارے کا سارا قابل ٹیکس (Taxable) قرار پائے گا۔ (فنانس بل 1988 کے نوٹیفکیشن کی کاپی منسلک ہے)

Agricultural income

(1) Agricultural Income [1][:]

[2][Provided that, in case an assessee has, in any income year, any income (other than the agricultural income) which is chargeable to tax (hereinafter called "chargeable income"), the agricultural income shall be included in the total income, so however that the tax payable on the chargeable income shall be an amount which bears the same proportion to the chargeable income as the tax on total income bears to the total income:

Provided further that nothing contained in the first proviso shall apply in the case of an individual, not being a director of a company, whose chargeable income does not consist of, or include, income chargeable under the head 'income from business or profession'.]

---

[1]Substituted for full stop by Finance Act, 1988.

[2]Provisos inserted by Finance Act, 1988 w.e.f July 1, 1988 for the purposes of assessment of incomes and determination of tax thereon in respect of the assessment year commencing on or after July 1, 1988. Before the passing of the Finance Act, 1988 (in December, 1988), the first of these provisos was inserted by Finance Ordinance, 1988 (in June, 1988) and the second proviso was then inserted by Notification No. SRO 766(I)/88 dated September 7, 1988. The Finance Ordinance, 1988 was repealed but the said Notification issued u/s 14 has not so far been repealed although the amendment has been incorporated vide the Finance Act, 1988

Cl.(1)-Agricultural income. See Section 2 (1) for definition and Rule 25 of Income Tax Rules, 1982 for computation where income is partly agricultural and partly from taxable business.

Inclusion of agricultural income in total income: Following is an extract from Circular No. 20 of 1988 dated October 8, 1988 is as follows:-

"Two provisos have been added to clause (1) of Part I of the Second Schedule to the Ordinance. The first proviso has been added through the Finance Ordinance, 1988 and the second proviso through notification No. S.R.O. 766(I)/88 dated September 7, 1988.

The effect of these provisos is that agricultural income shall be included in the total income of the following two types of assessees:-

(a) Directors of a company; and

(b) Other assessees, whose total income consists of, or includes, income from business or profession. However, tax shall be chargeable only on non-agricultural income or prorata basis. The following example is given by way of illustration:

Example:

Agricultural income = Rs. 100,000/-

Other income. = Rs 50,000/-

Total income = Rs. 150,000/-

Total tax on total income (say) = Rs. 26,600/-

Tax payable = Tax on total income x other income ÷ Total income

$$= \frac{26{,}600 \times 50{,}000}{150{,}000} = \text{Rs. } 8{,}867$$

12.31.48.93

" New Economic. Package 1993 کے تحت زرعی ٹیکس کے قوانین مختلف حکومتوں کی مسلسل
ناکامیوں اور مجبوریوں کے بعد عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (I.M.F.) کے قرض واپس کرنے اور ذرائع آمدنی
بڑھانے کے مطالبہ کی روشنی میں پاکستان کے نگران وزیراعظم جناب معین قریشی نے 19 اگست 1993ء کو"Package
New Economic" کا اعلان کرتے ہوئے زرعی اثاثہ جات و سرمایہ (Agricultural Assets / Holding s) پر
دولت ٹیکس ایکٹ کے تحت ٹیکس لگا دیا۔ اس پیکج کے الفاظ یہ ہیں۔

The Care-Taker Prime Minister of Pakistan, Mr.Moeem Qureshi announced econonic package of Of Reforms on August 19Th,1993. The mini-budget type package of economic reforms is briefly discussed as under:

(i) Wealth Tax on Agricultural Holdings:

Wealth Tax has been imposed on agriculturd holdings with exemptionallimit

(ii) Tax On Agricultural Income: The provincial Governments

will introduce a tax on "Agricultural Income" at the rate of Rs 2 per"Produce Index Unit" Who own land which procduce an outpat equal to less than 4000 produce Index unit will be exempted from agricultural tax. (13)

اس پیکیج میں دو طرح کے ٹیکس متعارف کرائے گئے یعنی زرعی سرمایہ و اثاثہ جات پر دولت ٹیکس کا نفاذ اور

صوبوں کی سطح پر وفاقی حکومت کے حکم پر زرعی آمدنی پر ٹیکس عائد کرنے احکامات۔ لہٰذا اس کے پہلے حصے کے مروجہ قوانین کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

1: وزارت خزانہ حکومت پاکستان کی طرف سے فنانس بل 1994ء میں زرعی سرمایہ واثاثہ جات پر دولت ٹیکس ایکٹ کی دفعہ 14 کے تحت ٹیکس عائد کیا گیا۔ جن کے مطابق ہر زمیندار خواہ وہ پہلے ٹیکس گزار ہے یا نہیں دونوں صورتوں میں وہ مروجہ قوانین کے تحت اپنا گوشوارہ تحصیلدار یا مختار کار سے تصدیق کروا کر محکمہ مال یا محکمہ انکم ٹیکس کے دفاتر میں جہاں وہ چاہیے جمع کروانے کا پابند ہے۔

"Wealth Tax Retorn " کے جو زرعی اثاثہ جات پر مشتمل ہوگی "Past I" میں زرعی اثاثہ جات کی تفصیل مطلوب ہوتی ہے جس میں زرعی زمین کا حدود اربطہ - کوڈ نمبر ضلع زمین کا ایکڑ کے حساب سے اریا اور کل پروڈیوس انڈکس یونٹ (P.I.U) درج کرنا ہونگے

ٹیکس گزار کو اس گوشوارہ کے "Past I" شق نمبر 8 کے تحت ایک سرٹیفکیٹ دینا ہوگا جس میں حلفاً بیان کرنا ہوگا کہ اس گوشوارہ میں درج شدہ اثاثہ جات کے علاوہ اس کے نام اور اس کے کم سن بچوں کے نام کوئی قابل ٹیکس اثاثہ جات نہیں ہیں۔

Past II میں وہ زرعی اثاثہ جات درج ہوں گے جنہیں مستثنیٰ "Claim" کیا گیا ہو مثلاً ایک پک اپ جو زرعی مقاصد کیلئے استعمال ہوتی ہو اور اس کے علاوہ ایک مزید گاڑی بشمول پجارو کے جو زمیندار کے ذاتی استعمال میں ہو۔

part(III) ٹیکس وضع کرنے (computation) کے متعلق ہے اس میں مختلف حد تک زرعی زمین کی صلاحیت کے

مطابق وضع کردہ Prodce Index unit کے Rate دئے گئے ہیں - سیکش 5 (i) کے تحت پانچ ہزار یونٹ بحساب 200 روپے فی یونٹ یعنی دس لاکھ روپے کی مالیت کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا-

پانچ ہزار یونٹ تقریبا ساڑے باسٹھ ایکڑ بنتی ہے جسے ٹیکس سے Exemptod کیا گیا-اس کے بعد درج ذیل شرح کے حساب سے ٹیکس "Calculate" کیا جائے گا-

1: on The Fisst Rs, 500, 000 of net wealth .5% = 2500 Per 25 Acses

2: on The next Rs 500, 000 of Net wealth 1% = 75000 Per 25 Acres

3: on The next Rs 500, 000 of Net wealth 1.5% = 500 per 25 Acres

4: on The next Rs 500, 000 of Net wealth 2% = 10,000 Per 25 Acres

on The Balance net wealth 2.5% = 12500 Par 25 Acres

(14)

یعنی slab نمبر1 کے لحاظ سے 100 فی ایکڑ - slab نمبر2 کے لحاظ سے 200 روپے فی ایکڑ - slab نمبر3 کے لحاظ سے 300 روپے فی ایکڑ - slab نمبر4 کے لحاظ سے 400 روپے فی ایکڑ اور sĺab نمبر5 کے حساب سے زرعی ویلتھ ٹیکس مبلغ 500 روپے فی ایکڑ بنتا ہے -

جن زرعی اثاثہ جات کو ٹیکس عائد کرنے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے - (A) اگنے والی فصلیں اور زرعی زمین پر اگنے والی گھاس و درخت

اس رعایت کے سلسلے میں اگر اسلامی نظام زرعی محاصل پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن و سنت کی رو سے زرعی پیداوار پر عشر کے وجوب کا ثبوت ملتا ہے مگر اس قانون میں اسے الٹ کر دیا گیا ہے - پیداوار کو چھوڑ کر زمین کی پیداواری صلاحیت کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ اس کی مالیت و قیمت پر ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ یہ کسی لحاظ سے بھی موزوں معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ اس شق میں خودرو درخت اور گھاس کو جو Exeonpt کیا گیا ہے۔ یہ اسلامی نظام زرعی محاصل کے عین مطابق ہے۔

(B) ایسی زمین جو مالک زمین / ٹیکس گزار نے حکومت سے شجاعت و بہادری کے اعتراف میں حاصل کی ہو۔

اس رعایت کا اطلاق خصوصاً فوجیوں کی زمینوں پر ہوتا ہے۔ جنہیں حکومت ان کی بہادری و کارناموں کے عوض مختلف سکیموں کے تحت قطعات اراضی عطا کرتی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں چند کبار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مجاہدین اسلام کو جاگیریں عطا کی گئی تھیں۔ زمین الاٹ کر دینا بذات خود بہت بڑی رعایت ہے۔ اس سے مالک زمین اس بات سے محفوظ رہتا ہے۔ کہ زمین اس کے پاس کہاں سے اور کس ذریعے سے آئی۔ اگر خریدی ہے تو پیسے کہاں سے آئے کیا۔ ذریعہ آمدنی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

مگر پوری اسلامی تاریخ اس کی شاہد ہے۔ کہ ان عطا کردہ جاگیروں پر عشر و خراج یا مالگذاری کو معاف نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یہ رعایت بھی غیر شرعی ہے۔ کوئی بھی بہادر فوجیوں کی خدمات سے انحراف نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی انھیں تمغہ جات (Medals) اور زمین دینے کی مخالفت کرتا ہے۔ البتہ ان زمینوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دینے کا فیصلہ امتیازی ہے۔ جس کی وجہ سے طبقاتی تقسیم کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اور انصاف کے تقاضوں کے برعکس ہے -

(C) پانچ ہزار انڈکس یونٹ بحساب 200 روپے فی یونٹ یعنی 5000 x 200 = 1,00 000 ,10 دس لاکھ روپے کی مالیت کی زمین یعنی ساڑھے باسٹھ ایکڑ زرعی زمین

(D) زرعی آلات و مشینری بشمول ٹریکٹر - ٹیوب ویل اور وہ مشینری جو پیداوار بڑھانے کیلئے استعمال ہوتی ہو۔

(E) ایک پک اپ (Pick - up)جو زرعی مقاصد کے لئے استعمال ہوتی ہو۔ اورایک موٹر گاڑی جو مالک زمین کے ذاتی استعمال میں ہو۔

شق (C)میں دی گئی بنیادی چھوٹ اپنی جگہ پر بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ پانچ ہزار پروڈیوس انڈکس یونٹ 2 / 1 / 62 ایکڑ زرعی زمین بنتی ہے۔ جس کی قیمت صرف دس لاکھ لگائی گئی ہے۔ ارزاں زرعی زمین بھی اب کم از کم ایک لاکھ روپے فی ایکڑ اور شہروں کے قریب واقع زرعی زمین پانچ - دس اور بیس لاکھ فی ایکڑ کے حساب سے بھی بمشکل ملتی ہے۔ اس قانون میں اتنی بڑی چھوٹ دینا دیگر ٹیکس گزار طبقوں سے امتیازی سلوک کے مترادف ہے۔ جبکہ ایک سرکاری ملازم کو اب انکم ٹیکس آرڈیننس کی رو سے صرف اور صرف پچاس ہزار روپے کی چھوٹ دی گئی ہے۔

لہٰذا اس میں ترمیم ضروری ہے۔ کیونکہ "پروڈیوس انڈکس یونٹ" 1977ء میں بنائے گئے تھے۔ بیس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد قیمتیں بہت بڑھ چکی ہیں۔ پیداواری انڈکس یونٹ دوبارہ زمینوں کا سروے کرانے کے بعد مقرر کئے جائیں۔ اور پھر ان کے مطابق زمینوں کی مالیت نئے سرے سے مقرر کرکے بنیادی چھوٹ دوبارہ مقرر کی جائے۔ اس کے علاوہ زرعی مشینری و آلات کی چھوٹ بالکل درست ہے۔ جبکہ پک اپ اور ذاتی استعمال کی ایک گاڑی کا استثنے بھی امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی اور شخص یا ملازم سیکنڈ ہینڈ اور گاڑی خریدے تو انکم ٹیکس حکام دفتر بلا بلا کر اس کی وضاحت طلب کرتے ہتے۔

(F) وہ مویشی و جانور جو صرف اور صرف زرعی مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ وہ بھی ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔ سوائے ان جانوروں کے جنہیں تجارتی مقاصد کے لئے پالا گیاہو۔

اس شق میں مذکورہ استثنےٰ شرعی لحاظ سے بالکل درست ہے۔

(G) میں تحریر ہے۔ یعنی کہ دیگر مراعایات کے علاوہ زرعی زمین کے مالکان کے زرعی مقاصد کے لئے استعمال ہونے والے ڈیرے - سٹور - مویشی کے باڑے وغیرہ کو بھی ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ یہ Exemption حد سے زیادہ ہیں۔ اتنے Units پر ٹیکس کی چھوٹ بھی امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ Wealth Tax Act 1993 کے تحت مالکان مکان کے لئے 10 لاکھ روپے یا صرف ایک مکان کی رعایت (Exemption) دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ

اگر ایک شخص کی لیک سے زیادہ بیویاں یا مکانات بھی ہوں۔ تب بھی صرف ایک مقبوضہ رہائشی مکان ہی کی (Exemption) ہے۔ اس کے بالکل بر عکس اس شق (G) میں زرعی زمین میں واقع کئی قسم کے مکانوں کو ٹیکس کی چھوٹ دی گئی ہے۔ (15)

وصولی مالی سال 95-1994ء کے دوران بہت تھوڑے زمینداروں نے اپنے اثاثوں کے گوشوارے جمع کرائے اور اسی لحاظ سے پورے ملک میں 23 اور 28 لاکھ روپے سے زیادہ ٹیکس وصول نہیں ہوسکا۔ لیکن پھر بھی کسی ایک گوشوارے کی تفصیلی چھان بین (Detailed Scrutiny) نہیں کی گئی اور نہ ہی اس کے مندرجات یعنی جائیداد اثاثہ جات سرمایہ زمین کی نوعیت تک کو کوچیک کیاگیا۔اس کے مقابلہ میں غیر زرعی شعبہ سے صرف دولت ٹیکس کی مدمیں170 کروڑ روپے جمع کئے گئے۔ اور ان کے گوشواروں کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد کروڑوں روپے جرمانہ صرف 2457 بھی کیا گیا۔

سنٹرل بورڈ ریونیو کے مطابق 96-1995 میں ملک بھر کے صرف 2457 جاگیرداروں اور زمینداروں نے مجموعی طور پر 28 لاکھ 26 ہزار روپے دولت ٹیکس جمع کروایا جبکہ ان لوگوں کی زرعی آمدنی بھی انکم ٹیکس سے مستثنی (Exempted) ہے غیر زرعی طبقہ سے رواں مال سال کے صرف پہلے نو ماہ میں پچاس ارب روپے سے زیادہ انکم ٹیکس و دولت ٹیکس C.B.R نے وصول کیا ان میں تنخواہ دار اور غیر تنخواہ دار طبقہ بھی شامل ہے - حیران کن بات یہ ہے کہ صرف تنخواہ دار ملازمین سے موجودہ حکومت نے پانچ ارب روپے انکم ٹیکس و دولت ٹیکس وصول کیا۔(16) اس طرح تنخواہ دار ملازمین جو مہنگائی کر وجہ سے بال بچوں کا پیٹ بمشکل پال رہے ہیں سے حکومت نے ملک بھر کے جاگیرداروں اور زمینداروں کے مقابلہ میں تقریباپانچ سو (500) گنا زیادہ ٹیکس وصول کیا ہے - حالانکہ تنخواہ دار طبقہ اپنا ایک مکان یا اسکا نصف حصہ بھی گھر کا گذارہ چلانے کے لئے کرایہ پر دے یا صرف مکان ہی بنالے تو اسکی طلبی ہوجاتی ہے - یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ ہمارے ادارے کے ایک لاکھ روپے سے زائد سالانہ تنخواہ لینے والے حضرات کی Income tax return کے ساتھ چونکہ Wealth tax Return بھی لازمی جمع کرانی تھی - انکم ٹیکس دفتر کی طرف سے خواہ دولت ٹیکس کے گوشوارہ میں اندارج تھایانہیں اپنی طرف سے ہزاروں روپے کے پرائز بانڈ شامل کردئے -

ظاہر کردہ رہائشی مکانات و پلاٹوں اور جیولری کے زیورات (جو پہلے اس میں شامل نہ کئے جاتے تھے) کی Cost value کی بجائے موجودہ قیمت Market value لگاکر Assesment کردی اور لاکھوں روپے ادا کردہ ٹیکس کے علاوہ Demand بنا کر جمع بھی کروالئے - دوسری طرف جن افراد کا ٹیکس مطلوبہ ٹیکس سے زیادہ جمع ہوگیا تھا - انکو ابھی تک Refund voucher بھی نہیں ملے -

اسکے برعکس زمینداروں کی زرعی آمدنی ٹیکس سے مستثنیٰ ہے - پھر ذاتی استعمال کی ایک قیمتی گاڑی اور ایک پک اپ جو زرعی مقاصد کے لئے استعمال کی جاتی ہے بھی Taxable نہیں ہے اور انکے داخل کردہ قلیل گوشواروں کی تصدیق و تائید Verification کئے بغیر تسلیم کرلیا جاتا ہے -

یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کی مجموعی قومی پیداوار میں زرعی سیکٹر کا حصہ 26 فیصد اور غیر زرعی سیکٹر کا حصہ 23 فیصد ہے لیکن ٹیکسوں کی سالانہ ادائیگی کا جہاں تک تعلق ہے زرعی شعبہ نے صرف 28 لاکھ 26 ہزار روپے ٹیکس ادا کیا اور آئندہ مالی سال میں غیر زرعی شعبہ سے 76 ارب روپے کا ٹیکس وصول کرنے کا پروگرام ہے جو زرعی شعبہ کے ادا کردہ ٹیکس سے 2400 گنا زیادہ ہے - چنانچہ ٹیکسوں کی مد میں یہ تفاوت قابل ترمیم ہے اس امتیازی قانون کو مساویانہ خطوط پر ڈھالنے کی اشد ضرورت ہے -

وفاقی بجٹ برائے مالی سال 96-1995ء

دولت ٹیکس ایکٹ کے تحت زمینداروں سے ان کے زرعی اثاثہ جات و سرمایہ پر 1993ء میں دولت ٹیکس لگایا گیا تو اس میں Produe Index Unit (پیداواری اکائیوں) کی قیمت کے حساب سے 5000 X 200=1000000 (دس لاکھ) روپے کی بنیادی چھوٹ دعاگئی مگر مالی سال 96 - 1995 میں پیداواری انڈکس یونٹ کی قیمت 200 روپے سے بڑھا کر 250 روپے کر دی گئی اور اس لحاظ سے دس لاکھ روپے ہی کی چھوٹ رکھی گئی۔

بظاہر ایک ہزار ...یونٹ کا استثناء ختم کر دیاگیا۔ جس سے یہ توقع کی جارہی تھی کہ اس مالی سال (پچھلے سال) زرعی سرمایہ پرلگائے جانے والے ٹیکس میں اضافہ ہو گامگر پورے ملک کے زمینداروں وجاگرداروں سے اس مد میں صرف تین لاکھ روپے کا ٹیکس وصول ہوا۔ حالانکہ حکومتی اعدادو شمار کے مطابق زرعی شعبہ میں سالانہ 100 ارب روپے کے لگ بھگ آمدنی ہوتی ہے جس میں حکومت کوبطور ٹیکس 20 ارب سے 30 ارب روپے تک حاصل ہونے چاہئیں۔

وفاقی بجٹ برائے مالی سال 97 - 1996ء

اس بجٹ میں(AGRICULTURAL WEALTH TAX)کے قوانین میں صرف دو تبدیلیاں کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ پہلی بات پیدواری انڈکس یونٹ کی (value)قیمت سے متعلق ہے کہ چونکہ piu 1977ء کی زرعی اصلاحات میں مقرر کئے گئے تھے اور تقریبا سولہ سترہ سال بعد 1993ء میں بھی اسی value پر عمل درآمد کیاگیا۔ 96-1995 میں اس کی قیمت 200 کی بجائے 250 کی گئی تھی تو اب اس سے اس کی قیمت 1993ء و 1997ء کی قیمت یعنی 200 کو دوگنا کر دیاگیا ہے۔ اب مزید تفصیلات معلوم ہونے یا ترمیم کے بعد صحیح صورت حال کا پتہ چل سکے گا۔ لیکن موجودہ قوانین کے مطابق اب صرف 2500 پیدواری انڈکس یونٹ اس ٹیکس سے مستثنیٰ ہوں گے اورایکڑوں کی صورت میں اعلیٰ قابلیت کی زرخیززمین سوااکتیس ایکڑ (EXEMPTED) ہوگئی یعنی یہ باالترتیب 5000یونٹ 4000

یونٹ اور 2500 یونٹ جو کہ 62+1/2 ایکڑ - 50 ایکڑ اور 31+1/4 ایکڑ بنتی ہے۔ (17)

اس کے علاوہ " WEALTH TAX ACT 1993" کی دفعہ 14 کے تحت داخل کئے جانے والے گوشواروں میں جن اثاثہ جات کو ٹیکس سے مستثنٰی کیا گیا تھا - ذیلی شق (G) کے تحت OUT HOUSE یعنی ڈیرہ، STORE HOUSE یعنی گودام، FARM HOUSE یعنی زرعی مکان اور DWELLING HOUSE یعنی مویشیوں اور جانوروں کو ٹھہرانے کی جگہ (باڑہ) وغیرہ جو بھی زرعی زمین میں واقع ہوں مستثنٰی تھے۔ مگر اب اس مالی سال سے اس چھوٹ کو ختم کیا جارہا ہے - اور صرف ایک فارم ہاؤس (FARM HOUSE) ٹیکس سے مستثنٰی ہو گا۔ مزید برآں WEALTH TAX کی شرح (RATE) میں اضافہ کرنے کی بھی تجویز ہے۔ اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ یہ تو آنے والا وقت ہی زندہ رہنے والے لوگوں کو بتائے گا۔

مورخہ 28-10-96 کو وزیر اعظم کی صدارت میں ہونے والے وفاقی کابینہ کے اجلاس میں قرضوں کی واپسی کے لئے نادہندگان کو مجبور کرنے پر غور کیا گیا اور زرعی اثاثہ جات پر دولت ٹیکس عائد کرنے کے لئے نیا طریقہ کار وضع کرنے پر زور دیا گیا جس کے مطابق آئندہ صوبائی ریونیو افسر زمینداروں کو ایک نیا فارم (FORM) پر کرنے کے لئے دیں گے جس میں زمین کی پوری تفصیل اور تشخیص شدہ دولت ٹیکس کا اندراج ہو گا۔

(ii) NEW ECONOMIC PACKAGE 1993 کے تحت لگایا جانے والا دوسرا زرعی ٹیکس:

دستور پاکستان سنہ 1973 کے مطابق چونکہ مرکزی حکومت زرعی آمدنی پر ٹیکس عائد نہیں کر سکتی اس لئے حکومت پاکستان نے وفاقی سطح پر زرعی ویلتھ ٹیکس تو لگا دیا مگر زرعی آمدنی ٹیکس لگانے کے لئے دو ہی راستے اپنائے جاسکتے تھے۔ ایک آئین میں ترمیم کے ذریعہ سے زرعی آمدنی پر ٹیکس وصول کرنے کا اختیار لینا اور دوسرا صوبوں کو صوبائی سطح پر زرعی آمدنی پر ٹیکس لاگو کرنے پر مجبور کرنا۔ لہٰذا پہلا حل شاید مشکل تھا اس لئے یہ کہہ دیا گیا کہ صوبائی حکومتیں (وفاق کی طرف سے عائد کردہ زرعی ویلتھ ٹیکس کے علاوہ) زرعی آمدنی پر ٹیکس کا نظام متعارف کرائیں گی جسکی شرح دو روپے فی یونٹ ہوگی اور چار ہزار یونٹ کی بنیادی چھوٹ ہوگی۔

وفاقی حکومت کی ہدایت پر چاروں صوبائی گورنروں نے اپنے اپنے صوبے میں آرڈی نینس جاری کئے جن کو ایکٹ کی شکل دینے کے لئے مسودہ قانون پیش کرنے کو کہا گیا تاکہ زرعی آمدنی پر بھی ٹیکس عائد کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ابوالحسن نجمی سیکرٹری پنجاب اسمبلی لاہور نے بتایا کہ سارے جاگیردار اپنے باہمی سیاسی ونظریاتی اختلاف کو بھلاکر اس پر متفق ہیں کہ زرعی آمدنی پر ٹیکس لاگو نہ کیاجائے اس لئے پنجاب اسمبلی میں آج تک اس طرح کا کوئی مسودہ قانون پیش نہیں کیاگیا حالانکہ وزیراعظم کے مشیر برائے خزانہ وسیم احمد جعفری نے 15 جون سنہ 1995ء کو ایک پریس کانفرنس میں صحافیوں کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے بتایاکہ زرعی ٹیکس کے نفاذ میں رکاوٹ بننے والے صدیوں پرانے قوانین کو بدلنے میں کچھ وقت تو ضرور لگے گا۔ اس کے بعد انھوں نے کہاکہ وزیراعلیٰ پنجاب نے یقین دلاتے ہوئے بتایا کہ انھوں نے اپنی کابینہ کو اس مسئلہ پر قائل کرلیا ہے اور ایک کمیٹی بنادی گئی ہے جو سفارشات مرتب کرے گی اور جلد مسودہ قانون ہاؤس میں پیش کردیاجائے گا۔

اسی طرح 18 جون سنہ 1995ء کو مخدوم الطاف احمد (مرحوم) سنئیر صوبائی وزیر اور وزیر قانون چوہدری فاروق احمد نے کہاکہ ہم بین الاقوامی مالیاتی ادارے (IMF) کے ساتھ طے شدہ معاہدہ کے پابند ہیں اور زرعی ٹیکس کسی نہ کسی دن ضرور لگ جائے گا

اس کے بعد جناب افضل سندھو وزیر خزانہ حکومت پنجاب نے صوبائی بجٹ برائے سال سنہ 97 - 1996ء پیش کرنے کے بعد کہاکہ زرعی ٹیکس کے نفاذ کے سلسلے میں اب تک بہت سی رکاوٹیں حائل ہیں لہٰذا ان مشکلات کے حل کے بعد زرعی آمدنی ٹیکس لاگو کرنے کابندوبست کیاجائے گا۔

اس سلسلے میں صدر مملکت فاروق احمد خان لغاری نے 22 مئی 1995 کو اسلام آباد میں منعقدہ کسان کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وفاقی حکومت کو قومی کمیشن بنانے اور زرعی ٹیکس لگانے کے لئے صوبائی حکومتوں پر زور ڈالنے کی تلقین کی تاکہ زرعی آمدنی ٹیکس کے نفاذ سے صوبوں کی آمدنی وسیع ہوسکے۔ (18)

اس کے بعد 14 اکتوبر 1996ء کو صدر پاکستان کی زیر صدارت ہونے والے اجلاس میں زرعی آمدنی ٹیکس کے

فوری نفاذ کی ہدایت کی گئی ہے۔ صدر کی ہدایت پر چاروں صوبائی گورنر آرڈیننس کے ذریعے زرعی ٹیکس نافذ کریں گے اور بعد میں متعلقہ صوبائی اسمبلیاں قانون سازی کرکے اس کی منظوری دیں گی۔ اس اجلاس میں وزیر اعظم اور انکی اقتصادی معاون ٹیم اور ورلڈ بینک کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔

صوبوں نے نئے سرے سے زمین کی لیاقت کے مطابق پروڈیوس انڈکس یونٹ مقرر کرنے اور اس کے مطابق زرعی ٹیکس کی شرح مقرر کرنے کیلئے چھ ہفتے کی مہلت بھی مانگی کیونکہ زرعی زمین کی قیمت قابلیت کے اعتبار سے وہ مقرر کی جائے گی جس کے مطابق زمیندار زرعی قرضے حاصل کرتے ہیں -چالیس ہزار پیداواری یونٹ تک کے مالکان اراضی کو اڑھائی فیصدی ٹیکس ادا کرنا پڑے گا اور 4000 پیداواری یونٹ کی چھوٹ (EXEMPTION) ہوگی- (19)

صوبہ بلوچستان میں کئے جانے والے اقدامات

صوبہ بلوچستان کے گورنر کے جاری کردہ آرڈیننس کو ایکٹ کی شکل دینے کیلئے صوبائی اسمبلی کے رواں اجلاس میں میر ایوب بلیدی مرحوم وزیر مال نے زرعی ٹیکس کے نفاذ کی خاطر ایک مسودہ قانون پیش کیا۔ 12فروری 1993 کی نشست میں صوبائی اسمبلی نے اس بل کی منظوری دینی تھی لیکن کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے اس دن اجلاس نہ ہوسکا۔

تمام سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے صوبائی اراکین اسمبلی نے مشترکہ پریس کانفرنس میں کہا کہ وہ زرعی آمدنی پر ٹیکس لگانے کے خلاف ہیں کیونکہ پنجاب اور دوسرے صوبوں کے زمینداروں کی طرح بلوچستان کے زمینداروں کو ابھی تک سہولتیں نہیں دی گئی - اس کے بعد انھوں نے نہ صرف اس بل کی مخالفت کی بلکہ اسے سٹینڈنگ کمیٹی کے سپرد کرنے کی بھی مخالفت کی۔ چنانچہ ان کی مزاحمت ومخالفت کی وجہ سے بل واپس کیا گیا۔ جو بل اسمبلی میں پیش کیا گیا اسکے چند نکات یہ ہیں

1- 4,000 پیداواری یونٹ کو زرعی آمدنی ٹیکس سے چھوٹ دے دی گئی۔

2-اس کے بعد یعنی 6,000 پیداواری یونٹ تک اراضی پر زیر کاشت رقبہ کی بنیاد پر دو روپے فی یونٹ ٹیکس لگایا جائے گا۔

3 - 6,000 سے 10,000 پیداواری یونٹ یا اس سے زائد یونٹ پر تین روپے فی یونٹ ٹیکس عائد ہوگا۔

تین سال بعد بلوچستان اسمبلی نے مورخہ 96-2-1کو طویل بحث کے بعد بلوچستان زرعی آمدنی ٹیکس کا مسودہ قانون منظور کرلیا۔ آزاد گروپ، حزب اختلاف اور جمہوری وطن پارٹی کے لیڈر میرظہور حسین کھوسہ نے اس بل کی شدید مخالفت کی تاہم حکومتی ارکان نے اس بل پر دلائل کے بعد اسے ایوان کی کثرت رائے سے منظور کرلیا۔

صوبائی وزیر عبدالمالک بلوچ نے اس بل کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا کہ اگر Taxation کا نظام درست کرلیا جائے تو اربوں روپے حاصل ہو سکتے ہیں۔اور یہ ٹیکس چھوٹے زمینداروں پر نہیں لگایا گیا بلکہ 400ایکڑ سے زائد رقبہ رکھنے والے بڑے بڑے زمیندار اس کی زد میں آئیں گے۔

روز نامہ پاکستان لاہور مورخہ 96 - 12 - 2 کے مطابق بلوچستان کی نگران کابینہ نے زرعی ٹیکس کے نفاذ کی تیاری مکمل کرلی ہے اب صرف اس بات پر غور کیا جارہا ہے کہ یہ ٹیکس رقبہ کی بنیاد پر لگایا جائے یا آمدنی کی بنیاد پر۔ (20)

صوبہ سرحد:

صوبہ سرحد میں زرعی ٹیکس کے نفاذ کے سلسلہ میں ایک اخباری بیان کے مطابق سرحد اسمبلی نے اس کی منظوری دے دی مگر اس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی کیونکہ مذکورہ بل کی تفصیلات طلب کرنے کی کئی درخواستوں کا ابھی تک جواب موصول نہیں ہوسکا۔

البتہ مورخہ 8 جون 1996ء کو مختلف آراء پر مشتمل ایک انٹرویو اخبار میں شائع کیا گیاجس میں صوبائی وزیراعلیٰ آفتاب احمد خاں شیرپاؤ نے بتایاکہ صوبہ سرحد میں اس سال کے دوران زرعی آمدنی ٹیکس کے نفاذ سے تقریباچالیس لاکھ روپے حکومت کو بطور زرعی ٹیکس زمینداروں سے وصول ہوں گے۔ (21)

یکم دسمبر 1996ء کو صوبہ سرحد کی نگران کابینہ کے اجلاس میں زرعی آمدنی ٹیکس کے نفاذ کی منظوری دے دی گئی جس کے مطابق نہری زمین پر پچاس روپے اور بارانی زمین پر تیس روپے فی ایکڑ سالانہ شرح سے ٹیکس وصول کیا جائے گا اور باغات پر تین سو روپے فی ایکڑ زرعی ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ جبکہ بارہ ایکڑ زمین ٹیکس سے مستثنیٰ ہو گی (22)

بے شک ٹیکس کی شرح بہت کم رکھی گئی ہے لیکن پھر بھی زرعی ٹیکس کے قانون میں بارہ ایکڑ اراضی کی بنیادی چھوٹ بہت کم اور غیر مناسب سی لگتی ہے جبکہ آل پاکستان فارمرز ایسوسی ایشن کا مطالبہ ہے کہ پچاس ایکڑ تک کوئی ٹیکس نہیں ہونا چاہیے۔

باغات پر عائد کردہ ٹیکس کی اب تک یہ تصریح نہیں کی گئی کہ یہ فی ایکڑ سالانہ ہوگا یا سال میں جتنی مرتبہ پیداوار ہوگی اتنی مرتبہ یہ ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ کیونکہ بعض باغات پر سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ بھی پھل لگتے ہیں۔

صوبہ سندھ:

جناب وی اے جعفری مشیر برائے خزانہ حکومت پاکستان کے مورخہ 95-6-15 کے بیان کے مطابق وزیر اعلیٰ سندھ سید عبداللہ شاہ نے بھی جلد صوبہ سندھ میں زرعی ٹیکس نافذ کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہاں بھی ابھی تک پنجاب کی طرح اس سلسلے میں کوئی قانون سازی نہیں کی گئی۔ البتہ مورخہ 96-6-25 کو پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر ہونے خبرنامہ میں خالد احمد کھرل وزیر اطلاعات ونشریات کی ایک پریس کانفرنس دکھائی گئی جس میں انھوں نے وفاقی کابینہ کے اہم فیصلوں کی تفصیلات بتائیں۔ انھوں نے بتایا کہ یہ غلط ہے کہ زرعی ٹیکس نہیں لگایا گیا اور حکومت سندھ نے بھی زرعی ٹیکس کی منظوری دے دی ہے۔ **تازہ ترین صورت حال** یہ ہے کہ اب صوبہ سندھ میں بھی زرعی ٹیکس نافذ کر دیا گیا ہے۔ سندھ کی نگران کابینہ کا اجلاس نگران وزیر اعلیٰ کی صدارت میں مورخہ 8 دسمبر 1996ء کو منعقد ہوا جس میں آئی۔ ایم۔ ایف اور ورلڈ بینک کی ہدایت پر زرعی ٹیکس لگانے کی منظوری دی گئی جبکہ زراعت ٹیکس اور آبیانے کے قانون میں ترمیم بھی منظور کی گئی۔ بعد میں صوبائی نگران وزیر اطلاعات آغا مسعود نے اخباری نمائندوں کو بریفنگ دیتے ہوئے بتایا کہ اس ٹیکس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بیراجی علاقوں میں 12/1/2 ایکڑ سے 25 ایکٹر زمین تک 100 روپے فی ایکڑ۔ 25 ایکڑ سے 50 ایکڑ تک 125 روپے فی ایکڑ اور 50 ایکڑ سے زائد زمین پر 250 روپے فی ایکڑ سالانہ ٹیکس وصول کیا جائے گا نان بیراجی علاقہ میں 12/1/2 ایکڑ تا 25 ایکڑ تک 50 روپے اور پچاس ایکڑ زمین تک 65 روپے ٹیکس ہوگا۔

اس کے علاوہ بارانی علاقہ پر 12/1/2 ایکڑ سے 25 روپے، پچیس ایکڑ سے پچاس ایکڑ تک 35 روپے اور پچاس ایکڑ سے زائد زمین پر 60 روپے فی ایکڑ سالانہ ٹیکس ہوگا اور ساڑھے بارہ ایکڑ زمین تک ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔

زراعت پر اس ٹیکس کے نفاذ سے 50 کروڑ روپے کی سالانہ آمدنی ہوگی۔

صوبوں میں زرعی ٹیکس کا نفاذ غیر ملکی قرضوں کی واپسی اور ملکی معاشی بدحالی کو سنوارنے کی طرف ایک خوش آئندہ قدم ہے۔ لیکن زراعت سے وابستہ افراد کے خیال میں بنیادی چھوٹ کو چار گنا کم کرکے ٹیکس کی شرح میں بھی

کئی گنا اضافہ کر دینے سے کاشت کاروں اور زمینداروں کی مراعات کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ ان کے معاشی مسائل میں خاصا اضافہ متوقع ہے۔ لہٰذا زرعی شعبہ کی سہولیات کو مد نظر رکھتے ہوئے بنیادی چھوٹ کم از کم 25 ایکڑ نہری اور 50 ایکڑ بارانی زمین تک ہونی چاہئے اور زرعی اثاثہ جات پر وفاقی حکومت کی طرف سے عائد کردہ دولت ٹیکس بھی بالکل ختم کیا جانا چاہئے جو سرا سر غیر شرعی ٹیکس معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

اب صوبہ پنجاب میں بھی زرعی ٹیکس نافذ کر دیا گیا ہے۔

صوبہ پنجاب کی نگران کابینہ کے اجلاس منعقدہ لاہور میں زرعی آمدنی پر ٹیکس کے نفاذ کی منظوری دے دی گئی ہے اور اس سے متعلق مسودہ قانون تیار کر کے گورنر پنجاب کو بھجوادیا گیا ہے جس کے مطابق پنجاب حکومت کو اس مد میں تقریباً ایک ارب بیس کروڑ روپے سالانہ آمدنی ہوگی۔ ساڑھے بارہ ایکڑ نہری اور 25 ایکڑ بارانی زمین اس ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگی

ساڑھے بارہ ایکڑ سے 25 ایکڑ نہری زمین کی پیداوار پر 100 روپے فی ایکڑ سالانہ زرعی ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ اس طرح 25 ایکڑ سے پچاس ایکڑ تک نہری زمین پر 125 روپے اور پچاس ایکڑ سے زائد نہری زمین پر 150 روپے فی ایکڑ سالانہ ٹیکس عائد کیا جائے گا۔ 25 ایکڑ تا 50 بارانی زمین پر 62/1/2 روپے۔

پچاس ایکڑ سے 100 ایکڑ تک 75 روپے اور اس سے زائد زمین پر 100 روپے فی ایکڑ سالانہ ٹیکس ہوگا۔

اس قانون پر عملدر آمد اور طریقہ کار وضع کرنے کے لئے صوبائی وزیر خزانہ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دے دی گئی ہے۔ زرعی ٹیکس کی وصولی مارچ 1997ء میں تیار ہونے والی پیداوار سے کی جائے گی۔

اس ٹیکس کے نفاذ پر قومی اخبارات میں مختلف قسم کا ملا جلا رد عمل ظاہر کیا گیا۔ مبصرین کے مطابق سابقہ حکومت نے صوبہ پنجاب کے زمینداروں اور اراکین صوبائی قومی اسمبلی کو پہلے پچاس ایکڑ اور بعد میں سوا اکتیس ایکڑ اور بالآخر 25 ایکڑ تک نہری زمین کی چھوٹ دیتے ہوئے 25 روپے فی ایکڑ سالانہ زرعی ٹیکس نافذ کرنے پر رضامند کرنے

کی بہت کوشش کی مگر اس کا خاطر خواہ حل سامنے نہ آسکا۔

اب تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ اب بنیادی چھوٹ بھی خاصی گھٹا دی گئی ہے یعنی اسے پچاس ایکڑ سے کم کرکے صرف ساڑھے بارہ ایکڑ کر دیا گیا ہے۔ دوسری طرف ٹیکس کی شرح کو حکومت کی پیشکش سے چار گنا اور زمینداروں کی رضامندی سے پانچ گنا زیادہ کردیا گیا ہے۔

اس قانون کے نفاذ سے بے شک پہلے کی نسبت ٹیکس گذار زیادہ ملیں گے اور مختلف وجوہات کی بنا پر موجودہ ملکی اقتصادی بحران سے نمٹنے اور عالمی اداروں سے حاصل کردہ قرضوں کی واپسی میں بہت مدد ملے گی۔

حوالہ جات باب دوم

1:- زرعی اصلاحات 1959ء : منصور بک ہاؤس لاہور

2:- زرعی اصلاحات 1977ء : منصور بک ہاؤس لاہور : ص : 70 تا 75

3:-The Constitution of Pakistan 4Th Schdule : P - 195

4 :- Zakat and Ushr Ordinance,1980 : (No,XVIII of 1980 : Corrected upto October 2,1994) Zakat and Ushr Division, Ministery of Finance, Govt of Pakistan ,P. 11 - 12

5:- زکوٰۃ و عشر آرڈی نینس 1980ء : صفحہ 12

6:-Levy of Ushr-An Islamization of Agricultural Taxation
(Some tohughts on Methodology) P-1-8
By DR.Ali Muhammad Ch & DR. Bashir Ahmed
Department of Farm Management, University of Agriculture, FSD, 1982

7:- فقة السنة: ص 310

8:- محمد اعجاز : العشر و جمعہ ، فی قانون الزکوٰۃ الباکستان الاضواء ، رمضان 1213ھ مارچ 1993ء : مرکز شیخ زید الاسلامی جامعہ پنجاب لاہور : ص : 11 تا 13

9:- Zakat and Ushr System in Pakistan Page No. 17

10:- زکوٰۃ مینوئل 1983ء وزارت خزانہ حکومت پاکستان : ص : 13 تا 14

11:- ڈاکٹر محمود احمد غازی : فکرو نظر مارچ اپریل 1983ء : ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد : ص : 275

12 . Complete Income Tax Laues (5 th Addcttem by S.A. Salaam p - 573.

13:- چیف (Taxes) C.B.R وزارت خزانہ حکومت پاکستان ، اسلام آباد

14. Wealth Tax Act 1963 with Rules ----- 1993 - 94 P - 35

15:- Wealth Tax :Basic Law and Guidance, :Central Board of Revenue, Islamabad: P - 13

16 :- Chief Taxes: Central Board of Revenue : Islamabad

17:- وفاقی بجٹ : شعبہ خزانہ : حکومت پاکستان اسلام آباد : 14 جون 1995ء : ص : 42

18:- خبرنامہ پاکستان ٹیلی ویژن : (9 بجے رات) 22 مئی 1995ء

19:- اداریہ روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ 96-10-15

20:- روز نامہ پاکستان لاہور مورخہ 2 دسمبر 1996ء

21:- روزنامہ جنگ لاہور مورخہ 8 جون 1996ء

22:- روزنامہ پاکستان لاہور : ص : 8 مورخہ 2 دسمبر 1996ء

تیسرا باب

مالکان زرعی اراضی اور دیگر ٹیکس گذار طبقوں میں مشترک نسبت

فصل اول: ٹیکس سے انحراف کا مستقل رویہ

فصل دوم: غلط اور دوہرے اعداد و شمار کی فراہمی

فصل سوم: حکومت پر بداعتمادی

فصل چہارم: قانونی پیچیدگیاں

1- ٹیکس سے انحراف کا مستقل رویہ : (Constant Behaviour Of Avoidence From Tax)

جس طرح دیگر ٹیکس گذار اپنے کاروباری ادارے ، صنعتی یونٹ، دوکانیں اور فیکٹریاں ،ملیں اور کارخانے مختلف ناموں پر منتقل کردیتے ہیں تاکہ انکم ٹیکس سے بچاجاسکے ،اسی طرح کاروبار یا دوکانوں کے بار بار نام بدلنا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے تاکہ مختلف قسم کی آمدنیاں مختلف کاروباروں سے مختلف ناموں پر ایک ہی گھرانے میں آئیں اور ٹیکس سے بھی بچ جائیں - زرعی اراضی کے مالکان یعنی بڑے بڑے زمیندار وجاگیردار بھی بالکل اسی طرح ٹیکس دینے سے بہت حد تک انحراف کرتے ہیں اور مختلف طریقوں سے ہمیشہ ٹیکس سے بچنے کے لئے ٹال مٹول کرنے اور دیگر غلط طریقے اختیار کرنے کے عادی ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ نومولوداور نابالغ بچوں اور بعض اوقات غیر متعلقہ افراد کے ناموں پر جائیداد منتقل کردیتے ہیں - ٹیکس سے بچ جانے کے کچھ عرصہ بعد وہی جائیداد کاروباری حضرات کی طرح " Market Value " کے ساتھ اپنے نام "" Gift کرالیتے ہیں- فیصل آباد کے ایک بھٹہ خشت کے ٹیکس نادہندگان کو تلاش کرکے وصولی ٹیکس کی خاطر چھاپا مارا گیا- محکمہ انکم ٹیکس کی چھاپا مار ٹیم اس بھٹہ خشت کی ظاہر کردہ کمپنی کے ڈائریکٹر ایک " ریڑھے والے " سے ملے اس سے ایک شخص کا نام وولدیت پوچھی تو اس نے کہاکہ میں وہی شخص ہوں - اسے پریشانی اس وقت ہوئی جب ٹیکس ریکوری افسر اور انسپیکٹر نے اسے یہ بتایاکہ تم فلاں کمپنی کے ڈائریکٹر ہو اور تمھارے ذمہ فلاں سال کا اتنا ٹیکس بقایاواجب الادا ہے - اسے قانونی مشورہ دیاگیا کہ اس کیس میں کچھ دنوں کے لئے جیل میں بند ہوجاؤ اور بعد میں اپنا حصہ مالکانِ بھٹہ سے قانوناً طلب کرلو- اس پر اس نے اصل نادہندگان تک پہنچنے میں محکمہ کی مدد بھی کی اور اس طرح اسکی نشاندہی پر ے (Recovery) ممکن ہوئی-

ایک بھٹہ پر کام کرنے والے مزدور ریڑھا بان کو کاغذات میں کسی کاروباری کمپنی کا ڈائریکٹر ظاہر کرنا کتنا ہی نامناسب رجحان ہے - یہ سارے کے سارے حربے اور حیلے صرف اور صرف ٹیکس کی زد سے بچنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں- دستور پاکستان سنہ 1973ء کی رو سے وفاقی حکومت زرعی آمدنی پر ٹیکس عائد کرنے کی مجاز نہیں ہے - مزید یہ

کہ انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء میں 185 قسم کی جن مختلف آمدنیوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے ان میں زرعی آمدنی سرفہرست ہے۔ طویل عرصے سے اتنی مراعات حاصل ہونے کے باوجود جب فنانس بل 1988 کے تحت زرعی آمدنی کو دیگر کاروباری آمدنیوں میں شامل کرنے کے احکامات جاری ہوئے تو اس میں ایک مخصوص رعایت (Rebate) کے ساتھ ان زمینداروں کی زرعی آمدنی کو ان کی کاروباری آمدنی (Business Income) میں ایسی صورت میں شامل (Club) کرنے کو کہا گیا جو زمیندار کاروبار کے مالک یا حصہ دار ہونے کی صورت میں یعنی کسی لحاظ سے بھی پہلے ٹیکس گزار ہوں یا کسی کمپنی کے ڈائریکٹر ہوں۔ اس شرط کی وجہ سے یہ قانون بہت کم زمینداروں پر لاگو ہو سکا۔ کیونکہ ان زمینداروں میں جن کے نام زمین منتقل تھی وہ نہ تو پہلے ٹیکس گزار تھے اور نہ ہی کسی کمپنی کے ڈائریکٹر۔

اسی طرح جو لوگ ٹیکس گزار (Assesee) تھے یا کسی کاروباری کمپنی کے ڈائریکٹر تھے ان کے نام زرعی زمین نہ تھی۔ اس لئے دونوں قسم کے زمیندار اس قانون سے بری ہوگئے۔ جن قلیل افراد نے اس قانون کے تحت زرعی آمدنی کو دوسری آمدنی میں شامل بھی کیا تو کوئی تفصیل بتائے بغیر اپنی آمدنی ظاہر کر دی اور اس میں زمین کی پیداوار نہ بتائی گئی۔ صرف اور صرف زرعی آمدنی پچاس ہزار، چالیس ہزار یعنی بالکل سادہ طریقہ سے جتنی آمدنی بھی "Show" کی اس کو بغیر چھان بین کے انکم ٹیکس حکام نے Assess کر دیا۔ پھر انہی لوگوں نے چند سالوں کی زرعی آمدنی ظاہر کرنے اور تشخیص کرانے کے بعد بڑے بڑے قطعات اراضی یا دیگر منافع بخش کاروباری یونٹ خرید لئے تاکہ انکم ٹیکس حکام کو پوچھنے پر یہ بتایا جاسکے کہ انکی سالانہ اتنی زرعی آمدنی ہے اور وہ اتنے ایکڑ کے مالک ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح دیگر ٹیکس گزار طبقوں میں یہی رجحان پروان چڑھ چکا ہے کہ ہر سال اپنے "Business Titles" تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے دوستوں اور رشتہ داروں کو جن کے پاس " WHITE MONEY " یعنی باہر کی کمائی ہوئی رقم، زرعی آمدنی سے جمع کردہ رقم یا دیگر ایسی آمدنیاں ہوں جو قانوناً مستثنیٰ ہوں، اپنے کاروبار کا حصہ دار، پروپرائٹر، مالک یا ڈائریکٹر وغیرہ ظاہر کر کے (BASIC INVESTED CAPITAL) کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ وفاقی حکومت نے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ، عالمی بینک اور پاکستان کو امداد دینے والے ممالک کے کنسور شیم (یا جن اداروں سے قرضہ جات حاصل کئے ہوں) کے مسلسل دباؤ کے باعث صوبوں کو بار بار زرعی آمدنی پر ٹیکس لگانے کے لئے قانون سازی کرنے کی تلقین کی۔ اس حکم کی تعمیل میں صوبہ پنجاب میں ابھی تک کوئی قانون سازی نہیں کی گئی اور اگر کوئی عارضی خاکہ

(Rough Sketch) تیار بھی کیا گیا تو وہ ہاؤس میں پیش کرنے سے قبل ہی مسترد کر دیا گیا۔

اسی طرح صوبہ سندھ میں بھی کوئی Bill نہ پیش کیا گیا اور نہ ہی اس کی منظوری دی گئی اور صوبائی حکام ایسا کرنے کا وعدہ یا وعدوں کا اعادہ کر دینے پر ہی اکتفا کرتے رہے ہیں۔ بلوچستان اسمبلی میں 1993 میں ایک زرعی ٹیکس بل پیش کیا گیا جسے مختلف اراکینِ اسمبلی نے متفقہ طور پر بغیر کسی اختلاف کے مسترد کرتے ہوئے سٹینڈنگ کمیٹی کے سپرد کرنے کی بھی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ وہ بل واپس لے لیا گیا۔ پھر دو سال کے بعد بلوچستان اسمبلی نے زرعی ٹیکس بل کی منظوری دے دی۔

صوبہ سرحد میں بھی صرف کابینہ نے ہی ایسے بل کی منظوری دی ہے مگر اسمبلی میں اسے پاس نہیں کرایا گیا۔ سب جاگیرداروں و زمینداروں میں دیگر طبقوں کی طرح یہ نسبت مشترک ہے کہ ٹیکس سے بچنے کے لئے ہر قسم کے رویے اختیار کئے جائیں۔

اسی طرح حکومت پاکستان نے زرعی آمدنی کو ٹیکس نیٹ (TAX NET) میں لانے کے لئے 95-1994ء میں پہلی دفعہ جب دوسرے کاروباروں پر صنعت و تجارت کی مانند ٹیکس لگانے کی ابتداء کی تو سینیٹ، قومی اسمبلی اور چاروں صوبائی اسمبلیوں میں موجود جاگیردار ارکان نے مخالفت کی جس کے بعد زرعی شعبہ کو ویلتھ ٹیکس ایکٹ 1993ء کے تحت ٹیکس نیٹ میں تو لایا گیا۔ لیکن دوسری طرف دولت ٹیکس (Wealth tax) میں دی جانے والی بنیادی چھوٹ کی حد ایک لاکھ روپے سے بڑھا کر دس لاکھ روپے کر کے ان کو مطمئن کر دیا گیا۔

حالانکہ پورے پاکستان کی 25 فیصد زرعی اراضی 50 ایکڑ سے زیادہ بڑے فارموں (Farms) پر مشتمل ہے اور اگر زرعی ٹیکس لگ بھی جائے تو پورے ملک کے جاگیرداروں، زمینداروں اور کاشت کاروں میں سے صرف اور صرف بڑے بڑے زمیندار جو زرعی شعبے کا چوتھائی حصہ ہیں اس کی زد میں آئیں گے۔ مگر مخالفت کرتے وقت سارے متحد ہو جاتے ہیں جس سے ان کا ٹیکس سے انحراف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے (1)

بالکل اسی طرح کاروباری حضرات بھی کرتے ہیں۔ فیصل آباد کے ریل بازار میں انعامی بانڈوں کا کاروبار کرنے والے ایک شخص نے 1983ء میں بھوانہ بازار فیصل آباد میں ہار سہرا فروشی کا کاروبار کیا اور 12,200 روپے سالانہ آمدنی ظاہر کر کے صرف 20 روپے ٹیکس جمع کروایا۔ اس وقت بنیادی چھوٹ بارہ ہزار روپے تھی۔ انکم ٹیکس سرکل (ایف)

فیصل آباد کے I.T.O انکم ٹیکس آفیسر کو اس کے دوسرے کاروبار جو وسیع پیمانے پر تھا، کی اطلاع ملی - چنانچہ کمشنر انکم ٹیکس کی اجازت سے اس کی دوکان واقع ریل بازار پر اچانک چھاپہ مار کر تقریباً 18 لاکھ 30 ہزار روپے اپنے قبضہ میں لے کر ان کی موجودگی میں گنتی کر کے ان کے دستخط لے لئے گئے - اسی اثناء میں اس نے غیر ملکی کرنسی نوٹوں کی ایک تھیلی اپنے ساتھی کو دی جو لے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا-

اس کے بعد اس کے "" Case کی سماعت اور چھان بین شروع ہوئی تو اس نے فیصل آباد کے مشہور قانون دان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے پندرہ اشخاص کے ذریعے مجوزہ اشٹام پیپر پر لکھوا کر انکم ٹیکس آفس کو باور کرایا کہ اس اٹھارہ لاکھ کی رقم میں اتنی رقم ہماری ہے -I.T.O نے ان کو زیرِ دفعہ "48/" Personal Attendence کا نوٹس دے کر دفتر بلوا کر ذریعہ آمدنی معلوم کیا تو ان میں بعض نے باہر کی آمدنی بتائی اور بعض نے زرعی آمدنی بیان کی، جس کے ثبوت متعلقہ حکام سے حاصل کر کے اس کی تشخیص (Assessment) کی گئی- چنانچہ اس کاروبار کے مالک کے ذاتی سرمائے کی Concealment بنا کر جرمانہ بھی کیا گیا-

اس ضمن میں پاکستان میں ہونے والی زرعی اصلاحات کے نتائج کا ذکر بھی ضروری ہے جس سے جاگیرداروں کے رویے کا صحیح منظر سامنے آسکتا ہے -

زرعی اصلاحات کے نتیجے میں کل 2555 بڑے بڑے زمینداروں نے حد ملکیت سے زائد زمین کا اعلان کیا- اس وجہ سے چونتیس لاکھ 80 ہزار ایکڑ زمین سرکاری تحویل میں آگئی، جس میں سے چودہ لاکھ اکتالیس ہزار ایک سو تیئس (123 ، 41 ، 14) ایکڑ زمین، ایک لاکھ چھبیس ہزار پانچ سو اٹھانوے (598 ، 26 ، 1) مزارعین اور چھوٹے کاشتکاروں میں تقسیم کی گئی - جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان زمینداروں کی ایمانداری کی وجہ سے اتنے زیادہ افراد یعنی مزارعین و کاشتکار اس شعبہ سے وابستہ ہوگئے جن کی محنت نے زراعت کی ترقی کو چار چاند لگادیے -لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پاکستان میں اس وقت بھی صرف ایک ایک زمیندار کے پاس پچیس پچیس ہزار ایکڑ زرعی زمین موجود ہے جو مختلف رشتہ داروں کے ناموں پر ظاہر کی گئی ہے (2)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نیک اور سچے جاگیرداروں کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی زمین کی حقیقت و تفصیل کو چھپاتے ، مختلف ناموں پر منتقل کرتے اور زرعی ٹیکس سے فرار حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں -

اسی طرح تقریباً سارے ٹیکس گذار طبقوں میں اچھے اور برے لوگ ہیں۔ کسی کے ذاتی کردار کو سب کے کردار پر منطبق ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔

جب 1980ء میں زکوٰۃ و عشر آرڈیننس جاری ہوا اور 1993ء سے عشر کے نفاذ کے لئے عملی قوانین بنائے گئے تو ملک کے ہر زمیندار اور کاشتکار نے دینی جذبے سے سرشار ہو کر رضاکارانہ طور پر اپنی زمینوں کی آمدنی پر عشر و نصف عشر متعلقہ کمیٹیوں کے سپرد کیا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے اس ملک میں نیک اور دیانت دار لوگ ابھی تک موجود ہیں۔ دوسری جانب زمیندار مقامی سطح پر نام نہاد ممبران پر مشتمل کوآپریٹو سوسائٹیاں رجسٹرڈ کرا لیتے اور اس کے بعد کھاد، بیج، زرعی ادویات اور دیگر قسم کی چیزوں کے لئے قرض حاصل کر لیتے ہیں۔ قرض حاصل کر کے متعلقہ مقاصد کی بجائے خورد برد کر کے اقساط لوٹانے میں پس و پیش کرتے رہتے ہیں۔

غلط اور دوہرے اعداد و شمار کی فراہمی:

دنیا میں کوئی ایسا کاروبار موجود نہیں جس کا مالک اس کا حساب نہ رکھتا ہو۔ مگر کاروباری حضرات کا یہ عمومی رجحان ہے کہ وہ حساب کتاب رکھنے کے باوجود گوشواروں کو جمع کراتے وقت اس پر "No Account Case" لکھتے ہیں اور اپنی کل آمدنی ظاہر کرتے وقت اسے صرف اور صرف اندازاً آمدنی (Estimated Income) لکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اندازاً ہرگز نہیں ہوتی بلکہ یقینی (Definite) آمدنی ہوتی ہے۔ اسی طرح گوشواروں میں دیئے گئے تفصیلی چارٹ (Computation Chart) پر ملازموں کی تنخواہیں بھی غلط لکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ دوہرے اعداد و شمار (Double Accounts) تیار کئے جاتے ہیں۔ پہلی قسم کے رجسٹروں پر اصل کھاتے، لین دین، قرض وادھار، خرید و فروخت غرضیکہ نفع و نقصان درج کئے جاتے ہیں۔ دوسری قسم کے رجسٹروں پر وہ حساب کتاب درج کئے جاتے ہیں جو صرف اور صرف انکم ٹیکس و دیگر حکومتی اداروں کو دکھانے کے لئے ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم صرف نقد کام کرتے ہیں۔

اسی طرح زمیندار و جاگیردار بھی امداد باہمی کی انجمنیں اور کوآپریٹو سوسائٹیاں رجسٹرڈ کراتے وقت ممبران کی

جو فہرست مہیا کرتے ہیں اس میں اکثر لوگ غیر متعلقہ و فرضی ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر جب اس سوسائٹی کے ذمہ واجب الاداقرض کی عدم واپسی پر پکڑ دھکڑ ہوتی ہے تو کوئی ممبر مشکل ہی سے "Locate" ہوتا ہے۔

جس طرح کاروباری حضرات اپنے گودام، سٹورز، سٹاک اور نقد و ادھار اور خرید و فروخت کئے ہوئے مال و اشیاء کو صحیح طور پر سٹاک رجسٹروں میں درج نہیں کرتے تاکہ متعلقہ محکمے عدم ثبوت کی بناء پر ٹیکس نہ لگا سکیں۔ بالکل اسی طرح مالکان اراضی بھی زرعی آمدنیوں کی بدولت بڑے بڑے تجارتی مراکز، شاپنگ سنٹر، پلازے، بڑی بڑی دوکانات، فلیٹس اور عالی شان عمارتیں خرید کر ان سے روزانہ، ماہانہ اور سالانہ بھاری آمدنیاں حاصل کرتے ہیں اور اس سے متعلقہ تمام حقائق کو چھپاتے ہیں اور مختلف ناموں پر مختلف کاروباری "Title" بدل بدل کر اور دوسرے اکاؤنٹس تیار کر کے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے گودام، سٹورز یا آڑھتیوں کے پاس تیار کردہ معلومات اجناس و آمدنی و خرچ کی خبر تک نہیں ہونے دیتے۔

اب یہ رجحان مزید بڑھتا جارہا ہے کہ کارخانوں اور ملوں کے مالک اور دیگر کاروباری حضرات بھی زرعی قطعات اراضی خرید کر مختلف سکیموں کی مد میں خطیر رقوم کے قرض بھی حاصل کرتے ہیں اور بعد میں اس آمدنی سے مزید کاروباری ادارے اور صنعتی یونٹ خرید لیتے ہیں اور اس وجہ سے ان کا یہ ذریعہ آمدنی (Source of Income) زرعی آمدنی ہونے کے باعث ان کی صرف کردہ رقم (Utilized Capital) وائٹ منی ہو جاتی ہے جس پر کوئی ٹیکس نہیں ہے۔

دوہرے حسابات کی تیاری کے ساتھ ساتھ مختلف ذرائع سے ہونے والی آمدنیوں مثلاً مکان کی آمدنی، کرایہ سے حاصل ہونے والی آمدنی (Rental Income) زرعی زمینوں کی آمدنی، باغات کی آمدنی اور کسی دوسرے کاروبار میں شراکت سے حاصل ہونے والی آمدنی وغیرہ کو اپنے گوشواروں میں ظاہر تک نہیں کرتے۔

اسی طرح زرعی اراضی کے مالکان بھی کتنے ہی کاروبار کرتے ہیں مگر وہ ان میں سے کسی طرح کی آمدنی کو زرعی ویلتھ ٹیکس کے گوشواروں میں ظاہر نہیں کرتے۔ لہٰذا غلط اور دوہرے اعداد و شمار کی فراہمی کی نسبت مالکانِ زرعی اراضی اور دیگر ٹیکس گزار طبقوں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔

حکومت پر بد اعتمادی:

چونکہ ایک عادل و دیانتدار حکومت کا نصب العین رعایا کی خدمت ہوتا ہے اس لئے عادل حکمران کا شاہی خزانہ جو درحقیقت عوام ہی کی امانت ہوتا ہے، ہمیشہ رفاہ عامہ اور پبلک کی خدمت اور ان کی خوشحالی کے لئے مختص ہوتا ہے اور وہ اس میں سے ملک و ملت کے معاشی و سماجی استحکام کی خاطر ضروریات کے سوا کچھ نہیں لیتا اور نہ ہی وہ بے جا قسم کے کثیر التعداد ٹیکس لگا کر عوام الناس کو پریشان کرتا ہے۔

اس کے برعکس ظالم حکومت کا مقصد اپنے اقتدار اور ذاتی تعیش کا استحکام ہوتا ہے۔اس لئے وہ حکمران عوام کے دکھ درد دور کرنے اور انہیں امن و سکون کی فراہمی کے لئے اقدامات کرنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ ایسی حکومت کی رعایا ہمیشہ ٹیکسوں اور قرضوں کے بوجھ تلے دبی رہتی ہے جس کی وجہ سے ملک کی اکثریت غربت و افلاس اور پستی کا شکار رہتی ہے۔ایسی طرح حکومت اور عوام کے درمیان کوئی خوشگوار اور مستحکم تعلق استوار نہیں ہوسکتا۔ لہذا حکومت کے خلاف غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ پھر غلط فہمیاں یقین میں بدلنے کے ساتھ ساتھ نفرت، بغاوت، عدم تعاون اور عدم اعتماد کو جنم دیتی ہیں۔ جبکہ حکومت کرنے، ٹیکس لگانے اور ادا کرنے کے لئے باہمی اعتماد معاشی و ملکی ترقی کے لئے اساس ہے۔

ہمارے ملک کے ٹیکس گزار طبقے بھی حکومت پر اسی طرح کی بداعتمادی کی وجہ سے صحیح صحیح ٹیکس ادا کرنے سے گریزاں رہتے ہیں۔ اور اسی گریز کی وجہ سے ٹیکس و آمدنی کو چھپانے اور سچ بیان نہ کرنے کی روش کو اپنائے ہوئے ہیں۔ عوام کو سچ بولنے پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے علاوہ حکومتی کارندوں اور اہل کاروں سے بھی نیکی اور اچھے رویے کی امید ہو تو وہ ہمیشہ سچ ہی بولیں۔

بداعتمادی کی وجہ سے لوگ انکم ٹیکس حکام سے معلومات اور مشورہ حاصل کرنے کی بجائے وکلاء کو اس کام کے لئے ترجیح دیتے اور ان کے طرح طرح کے مشوروں پر عمل کرتے ہیں اور اکثر اوقات حکومتی کارکنان خود لوگوں کے وکیلوں کی وساطت سے Case کرانے کی تلقین کرتے ہیں۔ بداعتمادی کی یہ فضا بے شک اخلاقی اور اجتماعی مفادات کے سراسر منافی ہے۔ عوام کا یہ رجحان بن چکا ہے کہ وہ حکومت کے مصارف سے ناواقف ہیں اور اس بات پر شاکی ہیں کہ عوام سے مختلف طریقوں سے اکٹھا کیا جانے والا سرمایہ بجاطور پر عوام کی فلاح و ترقی پر خرچ ہونے کی بجائے حکومتی ارکان و

نمائندگان کی عیش پرستی اور فضول خرچی پر صرف ہو جاتا ہے - جیسا کہ 1989ء میں جب اسلامی نظام معیشت کی ابتدا کرتے ہوئے زکوٰۃ و عشر آرڈیننس جاری کر کے حکماً زکوٰۃ و عشر کی کٹوتی (Deduction) کا سلسلہ شروع ہوا تو مسلمانوں نے وجوبی زکوٰۃ کی کٹوتی سے بچنے کے لئے یکم رمضان المبارک سے پہلے بینکوں سے اپنی رقوم نکلوانی شروع کردی - اور ابتدائی سالوں میں یہ روش ہرگز اختیار نہیں کی گئی بلکہ لوگوں نے کھلے دل سے جذبہ ایمانی کے تحت زکوٰۃ و عشر ادا کیا مگر چند سالوں کے بعد زکوٰۃ سے حاصل ہونے والی رقم میں بتدریج کمی ہوتی چلی گئی - اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اوائل میں سب نے حکومت پر اعتماد کیا لیکن بعد میں حکومت کی طرف سے اس فنڈ کے بے جا و بے دریغ استعمال اور صحیح مصرف پر روپیہ صرف نہ کرنے کی وجہ سے حکومت کے خلاف بداعتمادی اس قدر زیادہ ہوگئی کہ لوگوں نے اپنے ایمان بھی مشکوک کرتے ہوئے حلفیہ تحریری اشٹام کے ذریعہ اپنے آپ کو فقہ جعفریہ سے متعلق کر کے زکوٰۃ سے بچنے کا ایک نیا طریقہ ڈھونڈھ لیا-

اسی طرح سب کا مشاہدہ ہے کہ جب کبھی بھی ملک میں ہنگامی صورت حال یا آسمانی آفت و سیلاب کی کیفیت ہوتی ہے تو لوگ اپنے دکھی، محروم اور مظلوم بھائیوں کی امداد کے لئے سرگرداں ہوتے ہیں - لیکن حکومتی فنڈ میں وہ امدادی رقوم و اشیاء دینے کی بجائے نجی تنظیموں سے مل کر بذات خود مستحقین تک پہنچانے کو ترجیح دیتے ہیں - کیونکہ بیت المال اور زکوٰۃ فنڈ بھی غلط طریقوں سے غلط راستوں میں صرف کیا جاتا ہے - مرکزی زکوٰۃ کونسل کے ایک اعلیٰ افسر سے جب اس معاملے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ اوپر سے بذریعہ فون آرڈر آتا ہے کہ فلاں ایم این اے آرہا ہے، اسے اتنے لاکھ یا اتنے کروڑ روپے مہیا کردیں، یہ خود اپنے انتخابی حلقے میں جاکر مستحقین کو تقسیم کردے گا- اس بداعتمادی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حکومتی پارٹی کے اراکین خود بڑے بڑے کاروباری و جاگیردار ہونے کے باوجود حکومتی واجبات بشمول قرضہ جات ادا نہیں کرتے یا بہت کم ادا کرتے ہیں تو ان کی اس روش سے دوسرے لوگ بدظن ہوجاتے ہیں اور وہ حوالۃً اس بات کی آڑ لیتے ہیں کہ فلاں نے اتنے روپے کمانے کے باوجود ٹیکس نہیں دیا یا قرض واپس ہی نہیں کیا یا غلط ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں تو قانون شکنی پر ان کی اس سے حوصلہ افزائی ہوتی ہے - حکومت کے دفاتر چلانے کے لئے جو ضروری اشیاء خرید کی جاتی ہیں یا عمارت کی سالانہ مرمت (Annual Repairing) پر اصلی شرح سے زیادہ کے حساب سے خرچ کیا جاتا ہے - مارکیٹ میں وہی چیز یا کام جس مقدار میں میسر ہو، اس سے کہیں زیادہ

قیمت پر حکومت اسے خرید کر اپنے اہل کاروں کی کمیشن وصولی کا ذریعہ بنتی ہے۔

فیصل آباد کے کئی دفاتر میں جانے کا اتفاق ہوا۔ دفتر کے لوگ بتاتے ہیں کہ یہ سیف ہم نے اتنے کی (Purchase) کی ہے حالانکہ اس کی بازار میں اتنی قیمت ہے۔ ایک مقامی دفتر میں ایک کمپیوٹر خریدنے کے لئے 78 000، روپے حاصل کر کے کمپیوٹر 36000 روپے کا خرید اگیا، اس کا بل بھی Pass ہو گیا اور ادائیگی بھی ہو گئی۔

حکومت کا سرکاری خزانہ جو پوری قوم کی امانت و ملکیت ہوتا ہے اس کام کے لئے ہرگز نہیں ہوتا کہ اس کا غلط استعمال کیا جائے یا اس کا استعمال کرتے وقت اس میں مختلف طریقوں سے کمیشن وصول کئے جائے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب سے صحافیوں نے لاہور میں حکومت کی جاری کردہ گرانٹس میں ہونے والی بے ضابطگیوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے تسلیم کیا کہ سرکاری گرانٹس میں سے 30 سے 40 فیصد رقم کمیشن ے(Commission) کی صورت میں نکل جاتی ہے۔ کیا حکومتیں صرف کمیشن کو بھی ختم نہیں کر سکتیں؟ پیسہ عوام کا۔ گرانٹس دینے والی حکومت اور رفاہ عامہ پر خرچ کرنے والی رقم سے افسران بالا کے مختلف عہدوں کے لحاظ سے مختلف شرح کمیشن کی قانونی وصولی کیا لمحہ فکریہ نہیں ہے ؟

انہی وجوہات کی بنا پر عوام کو ٹیکس کی صحیح تشخیص و ادائیگی کے سلسلے میں متعلقہ محکموں میں مجبوراً، معمولاً یا مصلحتاً صرف جھوٹ ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے اور گھریلو اخراجات، بچوں کے سکول کی فیسیں، ملازمین کی صحیح تعداد و تنخواہ، کاروباری جگہ کا صحیح کرایہ، ایڈوانس (پگڑی) یا مطلوبہ کوائف میں ہیرا پھیری ہوتی ہے اور جب یہ ہیرا پھیری روگردانی کی مستقل روش بن جاتی ہے تو کوئی شخص صحیح ٹیکس تو کیا سرے سے ٹیکس دینے سے فخریہ انداز سے بچتا ہے جو کسی بھی لحاظ سے قابل ستائش بات نہیں ہے۔ پھر اسی رویے کے باعث لوگ سرکاری اہل کاروں سے الجھتے اور لڑتے اور جھگڑتے بھی ہیں۔ متعلقہ محکمے کے کارندے بھی صرف ٹیکس سے بچنے اور قلیل سے قلیل مقدار میں ٹیکس دینے پر صرف اپنے ذاتی مفادات کے پیش نظر اکساتے ہیں۔ یوں رشوت ستانی کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔ مزید بر آں بڑے بڑے شہروں میں سرکاری افسران و نمائندگان کے لئے بڑے بڑے عالیشان ریسٹ ہاؤس تعمیر کرانا پھر ان کی تزئین و آرائش پر کروڑوں روپے خرچ کر کے وزراء و اراکین کو وہاں ٹھہرانے کے بندوبست پر خطیر رقم صرف کرنا بھی قومی امانت میں خیانت کے مترادف ہے کیونکہ انہیں شہروں میں اور بھی کئی رہائشی انتظامات ہوتے ہیں جبکہ ایسے شہروں میں ریسٹ ہاؤس بنائے جانے چاہئیں جو دور دراز ہوں اور وہاں کوئی رہائشی بندوبست نہ ہوں۔ ایک ایک آدمی کے تصرف

میں کئی کئی قیمتی گاڑیاں دے دینا بھی نامناسب معلوم ہوتا ہے اس کے علاوہ سرکاری و سیاسی اکابرین کا لاکھوں روپے شکار کھیلنے پر صرف کرنا بھی ملکی معیشت اور قومی خزانے کے لئے نقصان دہ ہے - یہ عمل اسلامی ریاست اور ترقی پذیر ملک کے عادل حکمرانوں کے منافی ہے - کوئٹہ میں گذشتہ چار سال سے زیر تعمیر گورنر ہاؤس اور اس سے متعلقہ افراد کے لئے رہائشیں بنانے پر خطیر خزانہ خرچ کرنا بھی بعید از قیاس ہے - دین اسلام ہمیں کفایت شعاری، قناعت پسندی اور سادگی کا دائمی درس دیتا ہے -

یہ خبر کہ ایوان صدر کے صحن میں امریکہ سے گھاس منگوا کر لگانا اور لان (Lawn) پر 47 لاکھ روپے خرچ کرنا ترقی پذیر ملک کی ترقی کو متاثر کرنے والی بات ہے - مختصراً حکومت پر عوام کی بداعتمادی کی غیر جانبدارانہ تحقیق کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حکومت وقت اسی طرح کی غلطیوں کی مصلحتاً و مجبوراً مرتکب ہوتی رہتی ہے - حکومت کو اپنی غلطیاں دور کر کے ملکی ترقی و استحکام اور عوام کی فلاح بہبود و رفاہ عامہ و دیگر ضرورت زندگی کو پورا کرنے کی خاطر تمام سرکاری وسائل قومی آمدنی بڑھانے کے لئے استعمال کرنے چاہیں تاکہ عوام کا اعتماد بحال ہو اور اپنے فرائض کی بجاآوری میں تحفظ محسوس کریں -

قانونی پیچیدگیاں :

پاکستان میں مروجہ قوانین ٹیکس بجاطور پیچیدہ اور ناقابل فہم ہیں ان کو سمجھنے کے لئے ٹیکس گزاروں کو مجبوراً انکم ٹیکس پریکٹشنروں، مشیران ٹیکس اور چارٹرڈ اکاونٹینٹس اور سرکاری اہل کاروں کا سہارا لینا پڑتا ہے حکومتی خزانے میں ٹیکس جمع کرانے سے پہلے کئی گنا زیادہ روپیہ ٹیکس کی تشخیص پر خرچ ہو جاتا ہے -

سب سے پہلا مرحلہ انکم ٹیکس گوشواروں کے پر کرنے اور جمع کرانے کا مرحلہ ہوتا ہے - ان گوشواروں کی طوالت اپنی جگہ پر ہے ان کی انگریزی زبان کی عبارت اردو فارموں سے بھی مشکل ہے اور اردو فارم کی عبارت انگریزی گوشوارے سے دشوار تر ہے - اور پھر اس میں دیئے گئے کالم انتہائی مبہم ہیں - وکلاء اور مشیران اور اہل کار بیس روپے ٹیکس کی خاطر خود تشخیصی سکیم (Self Assessment Scheme) کے تحت گوشوارے پر کرنے کے عوض تین تین ایک ہزار روپے معاوضہ لیتے ہیں - اسکی مثال یہ ہے ایک لاکھ سے زیادہ آمدنی والے گوشوارے کے ساتھ دولت ٹیکس سٹیٹمنٹ (Wealth Tax Statement) جمع کروانا ضروری قرار دیا گیا ہے - وہ فارم بھی بہت پیچیدہ اور وسیع ہے - ان

میں درج کئے جانے والے اثاثہ جات و جائیداد کی تفصیل مہیا کرنا کسی اچھے خاصے پڑھے لکھے شخص کے بھی بس کا روگ نہیں ہے ، کم پڑھے لکھے حضرات کہاں سمجھ سکتے ہیں ؟ پڑھے لکھے افراد بھی (Exempted) اثاثہ جات کو قابل ٹیکس اثاثوں (Taxable Assets) کے خانے میں درج کردیتے ہیں اور نادانستہ طور پر ٹیکس کے بوجھ تلے آجاتے ہیں سال تشخیص برائے 96 - 1995ء کے گوشواروں میں کئی پڑھے لکھے اعلیٰ عہدوں پر فائز حضرات نے اپنی دولت ٹیکس سٹیٹمنٹ میں غلط خانے میں درج کردہ اثاثوں کی وجہ سے ابھی تک بھاری رقوم کے ٹیکس واجب الادا ہونے کے بعد فیصلے کے بعد تشخیصی اصلاح و درستگی (Rectification of Assesment) کے لئے دفتروں کے چکر پہ چکر لگاتے رہتے ہیں -

اسی طرح جو زیورات بیوی کے پاس موجود ہوتے ہیں ان کی "" Entry سب نے ٹیکس سے مستثنیٰ خانے میں کردی مگر انکم ٹیکس حکام نے ان کی قیمت خرید (Cost value) کی بجائے (Market value) لگا کر تشخیص ردی اور شکایت کرنے پر اعلیٰ افسران نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ اثاثہ "" Taxable ہوتا ہے اسکے دولت ٹیکس 1993ء میں واضح احکامات موجود ہیں - اسکے بعد گوشواروں کے ساتھ آمدنی ، اخراجات ، خالص آمدنی ، قابل ٹیکس آمدنی اور اسکے مطابق جمع کردہ بلوں کے ثبوت ، ٹیکس کی ادائیگی کے چالان وغیرہ کی تفصیل موجود ہوتی ہے اگر اسمیں سے کوئی منسلکہ (Attached) کاغذ کہیں کھو جائے تو دفتر والے عدم موجودگی کوائف (Shortage Of Documents) کا نوٹس بھیجنے پر اس کو اس کاغذ سے متعلقہ Credit نہیں دیتے اور ٹیکس ڈیمانڈ کا فیصلہ کرکے ٹیکس گزار طبقے کے لئے مسئلہ پیدا کرتے ہیں - اسکا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ ایک شخص کی تنخواہ اور ادا کردہ ٹیکس کا سرٹیفکیٹ (Certificate of pay and Deduction) گوشوارے سے علیحدہ ہوجانے کی وجہ سے عدم ثبوت ادائیگی ٹیکس پر پوری کی پوری جمع شدہ بغیر اطلاع دیئے واجب الادا قرار دی گئی - جس کے خلاف میں خود دفتر میں حاضر ہوا تو I.T.O نے یہ کہہ کر مطمئن کردیا کہ آپ اپنا (Salary Certificate) بنوا کر لائیں ہم اس تشخیص کی درستگی (Rectification) کردیں گے -

تین سال قبل جب انکم ٹیکس کا نظام کمپیوٹرائزڈ کیا گیا تو جتنی رقم گوشواروں کے ساتھ بطور ٹیکس جمع کرائی گئی وہ بعینہٖ کمپیوٹر نے "" Demand نکال دی - جس سے سارے حلقوں میں اضطراب پھیل گیا اور تقریباً کمپیوٹر سیل

سے ایک سال بعد ریکارڈ واپس آنے پر ان کو درست کیا گیا- یہی مسائل و مجبوریاں اور پیچیدگیاں زرعی ٹیکس گزاروں کو بھی درپیش ہیں کیونکہ ان کے جمع کردہ زرعی دولت ٹیکس و عشر کے گوشوارے اور نوٹس افسران کی میزوں پر مہینوں بھر دستخطوں کے لیے پڑے رہتے ہیں- پھر "" Assesment کے نوٹس بھی تاخیر سے موصول ہوتے ہیں- غلط اندراج و تشخیص کی درستگی پر لمبی مدت لگادی جاتی ہے-

تفصیلی چھان بین سے بچنا:- Immunity from Detailed Scrutiny/ Total Audit

خود تشخیصی نظام کے تحت داخل شدہ انکم ٹیکس کے گوشوارے من وعن قبول کرلئے جاتے ہیں اور ان کے فیصلے انہی گوشواروں کے مطابق کردیئے جاتے ہیں مگر چند گوشوارے جن میں Immunity Claim نہیں کی جاتی یعنی مطلوبہ محکمانہ شرائط کو پورا نہ کرتے ہوں ان میں سے کچھ گوشوارے مزید ٹیکس حاصل کرنے کے لئے تفصیلی چھان بین کے لئے منتخب کئے جاتے ہیں جن گوشواروں کو اس زمرے میں رکھا جاتا ہے ان کی ظاہر کردہ آمدنی کو ہر حال میں بڑھایا جاتا ہے- اسکی بھی دو صورتیں ہیں کہ انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء کی دفعہ 62 کے تحت ٹیکس گزار کو کئی دفعہ دفتر بلواکر کئی قسم کی معلومات حاصل کرنے کے بعد اسے "" Agreed Assesment پر مائل کیا جاتا ہے- اور اگر وہ نہ مانے تو اسکی روزانہ کی آمدنی وسٹاک وغیرہ کو انسپکٹر بھیج کر چیک کرایا جاتا ہے - اور پھر زیر سیکشن 61 یک طرفہ (Ex-partee) فیصلہ کردیا جاتا ہے-

ٹیکس گزاروں کو اس پریشانی سے بچنے کے لئے ہر سال کی نئی مطلوبہ شرائط کے مطابق سابقہ تین سالوں کی تشخیص کردہ آمدنیوں کو اکٹھا کرکے ان کی اوسط آمدنی کو 20 یا 25 فیصدی تک بڑھا کر (Increased) گوشواروں میں آمدنی ظاہر کرکے دفتر میں داخل کرانے ضروری ہوتے ہیں یا پچھلے تین سالوں میں سب سے زیادہ تشخیص شدہ آمدنی مزید مخصوص مقررہ شرح میں اضافہ کرکے گوشوارے جمع کرائے جاتے ہیں یعنی کاروبار میں تھوڑا یا زیادہ منافع ممکن ہیں- کبھی بغیر نفع و نقصان کے اور کبھی نقصان سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے- لہٰذا فرضی اضافہ کرکے آمدنی ظاہر کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے- حالانکہ حقیقی نفع ظاہر کرنے اور سچ بولنے کی ہی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئیے-

اسی طرح زمینداروں کی فصلیں بعض اوقات اچھی پیداوار دیتی ہیں اور بعض اوقات کسی وجہ سے وہی زمینیں

اچھی پیداوار نہیں دے سکتیں ۔ اسی لئے فصل پکنے کے وقت ہی عشر واجب کیا گیا ہے ۔ لیکن زکوٰۃ و عشر کمیٹی کی طرف سے ان کی اوسط پیداوار پر ہی فصل کٹنے سے پہلے عشر عائد کردیا جاتا ہے جو سراسر روح اسلام کے خلاف ہے ۔

نقصان ظاہر کرنا:

یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی قسم کا کاروبار ہو اس میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے مگر موجودہ قوانین ٹیکس میں یہ سقم موجود ہے کہ انکم ٹیکس حکام حقیقی و واقعی ہونے والے نقصان کو کبھی بھی نہیں مانتے ۔ اس سلسلے میں ان کی قانونی مجبوری یہ ہے کہ اگر گوشوارے میں ظاہر کردہ نقصان کو تسلیم کیا جائے تو محکمے کو انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء سیکشن 34 اور 35 کے تحت "" Set off of losses "" اور Carry forward of Bussiness losses کے عنوان کے تحت مسلسل کئی سالوں تک اس نقصان کو درج کرنا ضروری ہے ۔(3) حالانکہ نقصان والے سال کے فوراً اگلے سال منافع بھی ممکن ہے ۔ ایسی صورت میں بھی ٹیکس گزار کو تلقین کی جاتی ہے کہ دس بیس روپے ہی ٹیکس جمع کرادیتے تو کتنا بہتر ہوتا ۔ لہٰذا یہ صورت بھی جھوٹ بولنے پر اکساتی ہے ۔

اس کے علاوہ ایک خاصی دشواری زائد جمع شدہ ٹیکس کی واپسی (Refund) کے وقت لاحق ہوتی ہے ۔ اگر حکومت کا روپیہ کسی شخص کے ذمہ واجب الادا ہو اور وہ جمع نہ کرواسکے تو اس کے ذمہ اصل واجب الادا ٹیکس کے علاوہ انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء کی شق نمبر 85 کے مطابق اگر ٹیکس گزار مقررہ تاریخ تک ٹیکس جمع کرانے میں ناکام رہے تو دس فی صد کے حساب سے اضافی ٹیکس بھی لگایا جاتا ہے اور اور اس طرح سیکشن 91 ، 92 اور 93 کے تحت عدم ادائیگی ٹیکس کی وجہ سے (Due to non payment of tax) مختلف شرح کے حساب سے جرمانے (Penalities) عائد کئے جاتے ہیں ۔ جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہتے ہیں اسطرح اگر حکومت کے ذمہ ٹیکس گزار کا Refund واجب الادا ہو تو چاہئیے کہ اسے بھی بوقت تشخیص فیصلہ کے ساتھ ہی "Refund Voucher" جاری کردیا جائے لیکن سالہا سال سے لوگوں کے Refunds نہیں دیئے گئے اور پھر بے انصافی یہ ہے کہ حکومت تو جرمانہ عائد کرتی ہے لہٰذا ایسا قانون بھی تو موجود ہو جس کے تحت گورنمنٹ بھی Refund کے ساتھ "Due to non issuance of Refund Voucher" مختلف شرح سے جرمانے کے انداز میں زائد رقم لوٹانے کی پابند ہو ۔ مگر ایسا قانون ابھی تک ناپید ہے اسی طرز سے زرعی مالکان کی پیداوار پر ابتدائی مرحلے پہ عشر ٹیکس لگادیا جاتا ہے ۔ بعد

میں اگر فصل کسی وجہ سے ضائع ہوجائے تو اسکی رعایت کے حصول کے لئے بھی ایسی ہی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے
-

Proceeding of Appeals

انکم ٹیکس افسران کی تشخیص کردہ آمدنی و ٹیکس کے خلاف اپیل کا حق بھی دیا گیا ہے اور معاملہ کی نوعیت کے مطابق مختلف ادارے "Commissioner of Appeals اور کمشنر آف اپیلز اور "Additional" پھر "Incometax Tribunel" اسی کام کے لئے مامور ہیں زرعی ٹیکس کی طرح فیصلوں کے خلاف اپیل دائر کرتے وقت کچھ رقم ایڈوانس جمع کرانا لازم ہوتی ہے - ان دائر کردہ اپیلوں کی سماعت (Hearing) کی باری کا انتظار کرتے کرتے انکم ٹیکس حکام اپنے اختیارات کے مطابق عدم ادائیگی ٹیکس کی بنا پر سیکشن 91، 92 اور 93 کے تحت جرمانے لگاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات سماعت کی تاریخ مقرر ہونے اور فیصلے ہونے تک اصل ٹیکس کی رقم سے عائد کردہ جرمانے کی رقم بڑھ جاتی ہے -

مزید پریشانی اس وقت ہے جب متعلقہ انکم ٹیکس افسران جرمانہ لگانے کے بعد ٹیکس کی وصولی کے لئے ٹیکس نادہندہ (Defaulter of Tax) کی فائل ٹیکس ریکوری افسر کے پاس بھیج دیتے ہیں اور پھر وہ چند ضروری نوٹس کے اجراء اور قانونی کاروائی کے بعد ٹیکس نادہندہ کو پکڑ کے ٹیکس کی 75 فیصدی وصولی تک جیل میں بند کرنے کے لئے اس کا تعاقب کرتے ہیں - ایسی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے بغیر نمبر کے سماعت کی درخواست منظور کرانے کی تگ ودو کرنا پڑتی ہے - اپیل کی درخواستوں پر جب فیصلہ صادر ہوجاتا ہے تو پھر متعلقہ افسران "Appeal Effect" بروقت نہیں دیتے جس کے باعث ٹیکس گزار کو اپیل کے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لئے بار بار دفتروں کے چکر لگانے پڑتے ہیں - پھر باہمی مفاہمت کے بعد نظر ثانی شدہ تشخیص کے مطابق "Revised I.T.30" تیار کی جاتی ہے - لیکن دوبارہ ٹیکس گزار کو Penalties کے خلاف اپیل کر کے رعایت (Relief) حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہونا پڑتا ہے حالانکہ ایسا قانون ہو جس کے تحت ٹیکس میں رعایت یا ٹیکس کے خاتمہ کے ساتھ ہی اس پر لگایا جانے والا

جرمانہ بھی ختم ہو سکے۔

ظاہری طور پر مذکورہ بالا وہ مسائل ہیں جو مالکان زرعی اراضی اور دیگر ٹیکس گزار طبقوں میں مشترکہ طور پر پائے جاتے ہیں۔

حوالہ جات باب سوئم

1:- راشد القیوم: پراجیکٹ ایڈوائزر وڈاکٹر غلام قادر اکنامکس ایڈوائزر ورلڈ بینک مشن، شاہراہ جمہوریت اسلام آباد
2:- رجسٹرار: فیڈرل لینڈ کمشن ستارہ مارکیٹ اسلام آباد

3:- Income Tax Ordinance P - 234 - 235

چوتھا باب:

موجودہ مالی حالات میں زرعی آمدنی ٹیکس کا جواز یا عدم جواز

فصل اول: ملکی ضروریات واخراجات اور آمدنی کا شماریاتی جائزہ

دوم: زرعی زمین کے مالکان کا موقف ومسائل

سوم: زرعی ٹیکس کے نفاذ کا تاریخی پس منظر

چہارم: زکوٰۃ واجبہ کے علاوہ ٹیکس لگانے کا حکومتی استحقاق

فصل پنجم: فقہاء اسلام کی آراء

: ماہرین اقتصادیات کی آراء

: نتائج

: سفارشات وتجاویز

فصل اول: ملکی ضروریات واخراجات اور آمدنی کا شماریاتی جائزہ

پاکستان ایک ترقی پذیر زرعی ملک ہے جسکی آبادی کا تقریباً 56 فیصد سے زائد حصہ زراعت کے پیشہ سے وابستہ ہے - چنانچہ مختلف ادوار میں مختلف حکومتوں نے زرعی ترقی و خود کفالت اور زمینداروں اور کاشتکاروں کی خوشحالی اور زرعی پیداوار بڑھانے کے لئے زرعی سہولیات کی فراہمی کے لئے اقدامات کئے - جن میں آسان اقساط پر قرضوں کا اجراء، جدید زرعی آلات کی فراہمی، اچھے اور معیاری بیج کی ترسیل، اچھی کھادوں کی دستیابی، فصلوں کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے جدید ادویات کی فراہمی، نہروں اور نالوں کی بروقت بھل صفائی، زمین کو سیم و تھور سے بچانے اور بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے کے لئے پانی کی گنجائش کو بڑھانے اور زمین کو کٹاؤ سے محفوظ رکھنے کی خاطر ترجیحی بنیادوں پر کئی منصوبے شامل ہیں -

زرعی پالیسی:

حکومت نے زراعت کو ترقی دینے اور کاشتکاروں کو سہولتیں مہیا کرنے کے لئے زرعی ٹاسک فورس قائم کی ہے جسکی سفارشات پر درج ذیل اصلاحات کی گئی ہیں -

1: اعلیٰ اختیاراتی قومی زرعی رابطہ کمیٹی کا قیام(National) AgriculturalCo.ordiantion Commitee

2: بڑی اجناس کی امدادی قیمتوں میں اضافہ

3: ہاری کورٹ (Hari Court) کا قیام

3 - پچاس ہزار روپے تک کے قرضوں کی معافی اور قرضہ بروقت ادا کرنے کی صورت میں ایک لاکھ سے زیادہ کے قرضوں میں 50 فیصدی رعایت بھی دی گئی - 1

95 - 1994ء میں حکومت پاکستان نے زرعی قرضہ جات کی حد سترہ ارب روپے سے بڑھا کر بہتر ارب پچیس کروڑ روپے کرنے کے علاوہ پچاس ہزار تک کے قرضوں پر سود بھی معاف کردیا جبکہ ایک لاکھ روپے تک کے قرضہ جات پر سود معاف کرنے کی سفارشات پر غور کیا جارہا ہے - جس سے پاکستان کی اکثر آبادی جو زراعت سے منسلک ہے مستفید ہوگی -

اسی طرح پیداوار میں اضافہ کرنے کی خاطر حکومت نے اب عوامی ٹریکٹر سکیم کے تحت آسان اقساط پر چھوٹے کاشتکاروں کو 200 ، 14 ٹریکٹر دیئے ہیں اور اس سال 400 ، 28 ٹریکٹر مزید کاشتکاروں کو فراہم کئے جائیں گے۔

دریائے سندھ کے کنارے ڈیرہ اسمٰعیل خان کے علاقے میں 000 ، 6 ایکڑ زمین کو کٹاؤ سے بچانے کا منصوبہ بھی تیار کیا گیا ہے جس پر تیرہ ارب روپے خرچ ہوں گے۔ وزیر اعظم پاکستان نے زمین کو کٹاؤ سے محفوظ رکھنے کی خاطر " Prime Minister's River Management Scheme " تیار کی ہے جس پر عمل درآمد شروع کر دیا جائے گا۔

صوبہ بلوچستان میں پہلے سے زیر کاشت 47 ہزار ایکڑ زمین کے علاوہ تیس ہزار ایکڑ کو کارآمد بنانے کے لئے حکومت پاکستان نے 363 بلڈوزر بھی مہیا کئے ہیں۔ اسی طرح سے "" Exillory Water Project کے تحت مالاکنڈ کے ایک قصبے پٹ خیلہ کے مقام پر ساڑھے تین کلومیٹر لمبی سرنگ کا افتتاح بھی 96 - 1 - 24 کو ہو چکا ہے۔ ایشیائی ترقیاتی بینک کی مدد سے اس منصوبہ پر 73 کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے۔ اس سرنگ کی تعمیر سے نہر سوات میں پانی کی گنجائش بڑھ جانے سے مردان، صوابی اور چارسدہ کی بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنایا جائے گا۔ پانی کی ترسیل اور "" Drainage کے لئے ورلڈ بینک کی مدد سے 30 ملین روپے خرچ کرکے چھوٹے چھوٹے ڈیم تعمیر کئے جائیں گے۔ علاوہ ازیں کاشتکاروں کو قدرتی آفات سے فصلوں کی تباہی کی صورت میں معاوضہ ادا کرنے کے لئے وزیر اعظم نے وزارت خزانہ کو فصلوں کی انشورنس سکیم پر فوری طور پر عمل درآمد کرنے کی ہدایت بھی کی ہے۔ اس مقصد کی خاطر سٹیٹ بینک آف پاکستان کو زرعی و کمرشل بینکوں کو سرمایہ کی فراہمی کو یقینی بنانے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ [2]

کاشتکاروں کو فصلوں کی صحیح افزائش اور زیادہ پیداوار لینے کی خاطر حکومت نے مقامی یونین کونسل کی سطح پر قائم کردہ زراعت دفتروں میں نہ صرف فصلوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑے اور جڑی بوٹیاں ختم کرنے اور متوقع موسمی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے ادویات مہیا کی ہیں بلکہ جدید آلات و زرعی ادویات کو صحیح طور پر استعمال کرنے کے طریقے بتانے کے لئے محکمہ زراعت کے کئی افراد کو بھی متعین کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آٹھویں پانچسالہ منصوبے کے مطابق "" Productivity Enhancement Programme کے تحت کسانوں کو جدید زرعی آلات و مشینری اور اچھے و معیاری بیج کی سہولت بھی دی جائے گی تاکہ زرعی پیداوار میں اضافہ کیا جا سکے۔ اس مقصد کے لئے وزارت خوراک و زراعت کا ایگرو بزنس سیل دیہی علاقوں میں ایگرو انڈسٹری ایگرو فارسٹری اور لائیو سٹاک کی ترقی کے لئے پرائیویٹ سیکٹر کو بھی سرمایہ کاری کے زیادہ مواقع فراہم کرے گا۔ اور پاکستان زرعی ریسرچ کونسل اور صوبائی زرعی ترقیاتی ادارے کسانوں تک فوائد پہنچانے کے لئے زرعی توسیعی نظام کو اپنانے کی خاطر جدید تحقیقات بھی کریں گے۔ [3]

ان اخراجات کے مقابلہ میں پاکستان کے جاگیرداروں اور زمینداروں کی زرعی پیداوار کی آمدنی پر کبھی بھی ٹیکس نہیں لگایا گیا حالانکہ کئی دفعہ اسکی تجویز و کوشش بھی کی گئی - 1973ء کے دستور کے چوتھے شیڈول کے صفحہ 195 پر شق نمبر 47 کے تحت وفاقی حکومت کو زرعی آمدنی کے علاوہ دیگر آمدنی پر ٹیکس عائد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جس میں صاف طور پر "Tax on Income other than Agricultural Income" لکھا ہوا ہے - جس کے مطابق زرعی آمدنی کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے - انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء سیکنڈ شیڈول پارٹ نمبر 1 میں کل آمدنی سے مستثنیٰ آمدنی (Exemption from total Income) کے عنوان سے جن 185 قسم کی آمدنیوں کو Exempt کیا گیا ہے - ان میں سب سے پہلے زرعی آمدنی کا ذکر ہے - "[4]

اسلامی نظام معیشت کو متعارف کرانے کے سلسلے میں حکومت پاکستان نے آفاقی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کی خاطر زکوٰۃ و عشر آرڈیننس جاری کیا جس کے تحت 1983ء میں زرعی پیداوار پر عشر و نصف عشر (زمینی پیداوار کی زکوٰۃ) عائد کیا گیا - اس میں بھی زرعی پیداوار کی شرح کو اوسط سے بھی کم مقرر کیا گیا - پھر زرعی اجناس کی قیمتیں بھی اوسط قیمت کی بجائے کماوسط مقرر کی گئیں - عشر کی مد میں پہلے چند سالوں میں ہونے والی آمدنی حوصلہ افزا رہی- مگر بد قسمتی سے 1991ء کے بعد سے اب تک اس مد میں وصولی تو درکنار تشخیص بھی نہیں کی جا سکی -

فنانس بل 1988ء میں زرعی آمدنی کو دیگر کاروباری آمدنیوں میں شامل کر کے اس پر ٹیکس لگانے کے زیر عنوان "Inclusion of Agricultural income in total Income"

احکامات صادر ہوئے تو ان میں بھی ایک خاص رعایت (Rebate) کی سہولت دی گئی لیکن اس سے بھی قومی آمدنی میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ ہو سکا -

فنانس بل 1993ء میں زرعی اثاثہ جات و سرمایہ پر زرعی ویلتھ ٹیکس لگایا گیا تو 000 ، 5 پیداواری یونٹ کی بنیادی چھوٹ یعنی ساڑھے باسٹھ ایکڑ زرعی زمین کی چھوٹ دے دی گئی اور پیداواری یونٹ کی قیمت صرف 200 روپے مقرر کی گئی -

وفاقی بجٹ 96 - 1995ء میں پیداواری یونٹ کی قیمت 250 روپے مقرر کی گئی اور اسکے حساب سے 4000 یونٹ یعنی 50 ایکڑ زرعی زمین کی بنیادی چھوٹ دی گئی - مگر پھر بھی بہت کم لوگوں نے اسکی طرف توجہ دی اور زمینداروں

نے صرف اور صرف 25 لاکھ سے 28 لاکھ تک ٹیکس جمع کروایا جبکہ حکومت کا ہدف تین کروڑ روپے تھا۔

اس کے علاوہ زمیندار و جاگیردار قرضوں کی واپسی کے سلسلے میں بھی حکومت سے تعاون نہیں کرتے۔ اگر قرضوں کی واپسی بروقت کر دی جائے تو حکومت کی مشکلات کافی حد تک کم ہو سکتی ہیں مگر ایسا نہیں کیا جاتا۔ محکمہ مال پنجاب نے "Action plan for the Recovery of Receipt 1994" کے نام سے قرضوں کی وصولی کے لئے ایک منصوبہ تیار کیا جس کے تحت نادہندگان کے خلاف سخت کاروائی کرنے کا حکم دیا گیا تو بڑے بڑے قرضداروں نے قرضوں کی واپسی میں تعاون کرنے کی بجائے متعلقہ تحصیلداروں سے ساز باز کر کے اور ڈرا دھمکا کر ریکارڈ بھی غائب کروائے جسکی وجہ سے زرعی شعبہ سے وصولیاں رک گئیں۔ سخت اقدامات کے باوجود صرف چند لاکھ روپے وصول ہوئے جبکہ صوبہ پنجاب میں کاشتکاروں سے 50 کروڑ روپے وصول کرنے باقی ہیں۔ ریونیو بورڈ پنجاب لاہور کے مطابق ریکارڈ غائب کر کے قانونی کاروائی کے راستے بند کرنے والے تحصیلداروں کو ارکان اسمبلی کی پشت پناہی حاصل ہے۔ 5

حکومت شہریوں کو بنیادی اور جدید سہولتیں فراہم کرنے پر خطیر رقم خرچ کرتی ہے جن میں شاہراہوں، سڑکوں، پلوں، ڈیموں، سکول و کالجوں، یونیورسٹیوں، ڈسپینسریوں اور ہسپتالوں کو بجلی، پینے کے صاف پانی اور سوئی گیس کی ترسیل پر کافی اخراجات اٹھتے ہیں۔ جبکہ حکومت کو ٹیکس کی تمام مدات میں ہونے والی آمدنی کا 80 فیصد حصہ بیرونی قرضوں کی ادائیگی پر ہی صرف کرنا پڑتا ہے۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں و دیگر اخراجات کو پورا کرنے پر وفاقی بجٹ کا 14 فیصد حصہ خرچ ہوتا ہے۔ جسکی مثال 96 - 1995ء میں پورے ملک سے تمام ٹیکسوں کی مد میں حاصل ہونے والی کل رقم 265 ملین روپے ہے۔ اس آمدنی میں سے صرف قرضوں کی واپسی پر 160 ملین روپے اور دفاع پر 115 ملین روپے خرچ ہوئے۔ گویا کہ کل آمدنی سے 10 ملین روپے زیادہ صرف ان دو شعبوں پر خرچ ہوئے۔ مذکورہ بالا رفاہی کاموں اور ترقیاتی منصوبوں پر اور مملکت کے دیگر تمام امور پر خرچ کرنے کے لئے روپیہ کہاں سے آئے گا؟ 6

(نوٹ حکومت پاکستان کی طرف سے جاری کردہ قرضہ جات اور وصولیوں پر مشتمل چارٹس کا ڈاٹا ملاحظہ ہو)

Table 2.1.1

PAKISTAN

SCHEME-WISE LOAN PORTFOLIO

(Rupees- Million)

YEAR ENDING ON 30TH JUNE	GENERAL CREDIT	AGRI-BUSINESS CREDIT	T O T A L
1980	2414.491	88.480	2502.971
1981	2806.989	256.020	3063.009
1982	3675.323	325.280	4000.603
1983	4997.268	429.328	5426.596
1984	7087.656	557.198	7644.854
1985	9954.137	671.922	10626.059
1986	13017.299	1211.929	14229.228
1987	16133.265	1922.060	18055.325
1988	20097.129	2814.341	22911.470
1989	24890.984	3710.911	28601.895
1990	29187.584	4770.270	33957.854
1991	31571.355	5635.122	37206.477
1992	30877.716	6558.496	37436.212
1993	32370.267	7776.724	40146.991
1994	31500.487	8784.051	40284.538

Table 2.2.3

PAKISTAN

TERM-WISE COMPOSITION OF TOTAL CREDIT DISBURSED

(Rupees Million)

YEAR	SHORT TERM	MEDIUM TERM	LONG TERM	TOTAL
FY'80	89.710	49.160	572.680	711.550
FY'81	193.339	81.310	791.970	1066.619
FY'82	320.996	180.060	1056.330	1557.386
FY'83	418.151	170.727	1721.557	2310.435
FY'84	590.391	219.169	2322.116	3131.676
FY'85	913.999	403.944	2849.965	4167.908
FY'86	1326.144	839.893	3141.830	5307.867
FY'87	1205.793	705.894	4119.465	6031.152
FY'88	1696.389	1313.233	4706.456	7716.078
FY'89	2109.526	1437.854	5120.143	8667.523
FY'90	2361.687	1437.957	5590.217	9389.861
FY'91	2514.477	1310.747	4498.723	8323.947
FY'92	3112.480	903.066	2980.880	6996.426
FY'93	3037.823	815.089	4790.496	8643.408
FY'94	2205.130	1765.183	5018.939	8989.252

Table 2.2.4

PAKISTAN

TOTAL DISBURSEMENT OF ADBP BY SIZE OF LOANS

(Rupees Million)

YEAR	UPTO RS.10000/-	RS.10001/- TO RS.25000/-	RS.25001/- TO RS.50000/-	OVER RS.50000	TOTAL
1980	44.460	42.889	148.781	475.420	711.5
1981	80.760	79.610	114.630	791.619	1066.6
1982	132.321	138.480	163.500	1123.085	1557.3
1983	169.743	210.044	202.580	1728.068	2310.4
1984	169.774	283.609	264.902	2413.391	3131.6
1985	367.615	540.813	307.273	2952.207	4167.9
1986	367.863	1068.082	610.371	3261.551	5307.8
1987	333.459	950.213	612.589	4134.891	6031.1
1988	99.321	743.069	910.434	5963.254	7716.0
1989	117.918	632.575	1190.495	6726.535	8667.5
1990	92.368	477.057	1148.467	7671.969	9389.8
1991	67.584	354.994	1095.732	6805.637	8323.9
1992	61.874	357.527	943.359	5633.666	6996.4
1993	533.530	524.075	1067.870	6517.933	8643.4
1994	190.420	608.873	1676.292	6511.667	8989.2

Table 2.2.10

PAKISTAN

LOANS DISBURSED TO SMALL FARMERS

(Rupees Million)

YEAR	* SMALL FARMERS LOANS	TOTAL GENERAL CREDIT
FY'80	266.023	607.650
FY'81	417.702	911.249
FY'82	779.091	1446.956
FY'83	1288.857	2143.675
FY'84	1840.384	2946.251
FY'85	2717.298	3909.783
FY'86	3235.069	4722.717
FY'87	3873.302	5350.754
FY'88	5003.636	6954.681
FY'89	5732.867	8074.496
FY'90	5861.268	8641.677
FY'91	5106.107	7736.050
FY'92	3991.549	6489.994
FY'93	3879.411	7985.254
FY'94	4772.472	8702.003

* Farmers upto 25 acres are taken as small farmers

Table 2.2.12

PAKISTAN

TRACTOR FINANCED BY ADBP

(Rupees Million)

YEAR	NUMBER OF TRACTORS	AMOUNT
FY'80	8661	468.858
FY'81	10111	636.560
FY'82	12359	880.198
FY'83	17497	1459.256
FY'84	22766	2028.706
FY'85	25500	2305.668
FY'86	20603	1955.257
FY'87	23648	2621.911
FY'88	20288	2650.555
FY'89	19725	2898.750
FY'90	20290	3465.396
FY'91	12468	2650.302
FY'92	8823	1742.676
FY'93	16574	3548.008
FY'94	17127	4071.548

Table 2.2.13

PAKISTAN

TUBEWELLS FINANCED BY ADBP

(Rupees Million)

YEAR	NUMBER OF TUBEWELLS	AMOUNT
FY'80	425	9.300
FY'81	562	13.646
FY'82	745	20.576
FY'83	1246	38.109
FY'84	1623	57.938
FY'85	2548	67.424
FY'86	4260	196.697
FY'87	4621	220.835
FY'88	6743	392.196
FY'89	6632	476.667
FY'90	5898	487.010
FY'91	5388	564.277
FY'92	3281	304.834
FY'93	2528	252.005
FY'94	2403	294.128

Table 2.3.1

PAKISTAN

CUMULATIVE RECOVERY

(Rupees Million)

YEAR ENDING ON 30TH JUNE	FELL DUES	RECOVERED
1980	4174.060	3376.439
1981	5013.300	4146.900
1982	6051.407	5129.220
1983	7512.770	6485.455
1984	8881.726	8136.731
1985	11221.309	10389.439
1986	14701.471	13416.392
1987	18699.749	17196.695
1988	23721.490	21894.070
1989	30068.737	27105.537
1990	37892.386	33685.209
1991	46854.273	41493.732
1992	58727.215	50931.836
1993	65396.967	59950.995
1994	79669.748	70564.592

Table 2.3.2.

PAKISTAN

TOTAL RECOVERY OPERATIONS

(Rupees Million)

YEAR	RECOVERABLE DURING THE YEAR	RECOVERED DURING THE YEAR
FY'80	1441.450	643.835
FY'81	1636.860	770.466
FY'82	1904.510	982.322
FY'83	2383.550	1356.235
FY'84	2396.271	1651.276
FY'85	3084.578	2252.708
FY'86	4312.032	3026.954
FY'87	5283.356	3780.302
FY'88	6524.795	4697.375
FY'89	8174.667	5211.467
FY'90	10786.849	6579.672
FY'91	13169.064	7808.523
FY'92	17233.483	9438.104
FY'93	14465.131	9019.159
FY'94	19718.753	10613.597

Table 2.3.3.

PAKISTAN

RECOVERY OF CURRENT DUES

(Rupees Million)

YEAR	RECOVERABLE DURING THE YEAR	RECOVERED DURING THE YEAR
FY'80	665.108	421.222
FY'81	841.550	576.666
FY'82	1043.430	778.772
FY'83	1309.880	1098.840
FY'84	1596.136	1395.460
FY'85	2209.297	1966.674
FY'86	3398.242	2700.289
FY'87	4140.291	3332.687
FY'88	5074.069	4058.083
FY'89	6515.952	4696.848
FY'90	8160.528	5693.688
FY'91	9537.066	6594.439
FY'92	12046.739	8007.985
FY'93	10159.326	7443.295
FY'94	15862.001	9106.730

Table 2.3.4

PAKISTAN

RECOVERY OF PAST DUES

(Rupees Million)

YEAR	RECOVERABLE DURING THE YEAR	RECOVERED DURING THE YEAR
FY'80	776.334	222.613
FY'81	795.310	193.800
FY'82	861.080	203.550
FY'83	1073.670	257.395
FY'84	800.135	255.816
FY'85	875.281	286.034
FY'86	913.790	326.665
FY'87	1143.065	447.615
FY'88	1450.726	639.292
FY'89	1658.715	514.619
FY'90	2626.321	885.984
FY'91	3631.998	1213.884
FY'92	5186.744	1430.119
FY'93	4305.805	1575.864
FY'94	3856.752	1506.867

Table 2.3.5

PAKISTAN

TOTAL RECOVERY OPERATIONS
UNDER PROJECT LOANS

(Rupees Million)

YEAR	RECOVERABLE	RECOVERED
FY'80	15.420	15.420
FY'81	71.220	67.860
FY'82	79.500	72.920
FY'83	104.810	98.790
FY'84	127.153	106.150
FY'85	289.223	218.988
FY'86	230.419	145.372
FY'87	348.049	157.249
FY'88	360.860	185.998
FY'89	489.353	134.489
FY'90	683.301	171.600
FY'91	872.751	276.480
FY'92	1356.007	218.983
FY'93	1415.776	310.573
FY'94	2759.643	292.876

فصل دوم: زرعی زمین کے مالکان کا موقف و مسائل:

حکومت کیطرف سے چھوٹے کاشت کاروں کو آسان اقساط پر ٹریکٹر فراہم کرنے کا منصوبہ جاری ہے جس کے تحت چودہ ہزار دوسو ٹریکٹر فراہم کئے جاچکے ہیں اور اس سے دوگنی تعداد میں اس سال مہیا کرنے کا پروگرام بھی ہے۔ ارکان قومی اسمبلی و وزراء خاص اختیارات کے تحت یہ ٹریکٹر "Full Payment" ادا کر کے حاصل کر لیتے ہیں جسکی وجہ سے کاشت کار اس سہولت سے مستحق محروم ہوجاتے ہیں۔

اس ضمن میں دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ ٹریکٹر ناقص ہیں اور جن ملکوں سے بر آمد کئے گئے ہیں ان میں وہ ناکام ہوچکے ہیں۔ پھر انکی قیمتیں بھی نسبتاً بہت زیادہ ہیں جسکی تائید ٹریکٹر سپلائی کرنے والے ڈیلر حضرات نے بھی کی کہ اگر حکومت ڈیوٹی معاف کردے تو یہی ٹریکٹر پچاس ہزار روپے فی ٹریکٹر سے لے کر 70 ہزار روپے فی ٹریکٹر یعنی کم قیمت پر پاکستان ہی میں مہیا کئے جاسکتے ہیں۔

فنانس بل 1988ء میں زرعی آمدنی کو دوسری آمدنیوں میں ضم کر کے ٹیکس لگانے کے احکامات جاری کئے گئے تو فوج کے جرنیلوں اور بڑے بڑے فوجی افسروں کو "Fixed Income Group" کا لحاظ رکھتے ہوئے اس ٹیکس سے چھوٹ دے دی گئی۔

95 - 1994 میں جب دولت ٹیکس ایکٹ 1993ء کے تحت زرعی سرمایہ و اثاثوں پر ایک مخصوص رعایت کے ساتھ ٹیکس نیٹ میں لایا گیا تو پھر بھی ایسے بڑے بڑے قطعات زرعی اراضی کو "زرعی دولت ٹیکس" سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ جو مالکان کو کسی بہادری، شجاعت اور حسن کارکردگی کے عوض ملے تھے۔ یہ امتیازی استثنیٰ سراسر غیر شرعی و غیر قانونی ہے۔ لہٰذا اس میں بھی ترمیم ناگزیر ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ فصل کی بوائی سے لے کر کٹائی تک اور پھر اجناس کو منڈیوں تک پہنچانے بشمول زمین کی تیاری، آب رسانی، ہل چلائی، سہاگہ کراہ کی مدد سے زمین کی ہمواری، مزدوری، بیج کھاد، جراثیم کش ادویات اور تھریشنگ پر ہونے والے اخراجات "Cost of Production" کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی زمینداروں و کاشتکاروں پر ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ مختصر طور پر یہ پیداواری اخراجات ماہرین و زمینداروں کی متفقہ رائے کے مطابق دئے جاتے

ہیں مگر چونکہ ان اخراجات کا اندازہ دوسال قبل کے ""Rates کے مطابق ہے تو لہٰذا موجودہ شرح آمدنی و اخراجات سے اسکے معولی تفاوت کا احتمال باقی ہے۔

نام فصل	فی ایکڑ آمدنی	کل اخراجات	زمین کے کرایہ کے بغیر آمدنی	Rent کے ساتھ آمدنی 1000 روپے فی ایکڑ	عشر ٹیوب ویل سے سیراب ہونے والی فصل پر	اس کے علاوہ دوسری فصل پر
گندم	3000 روپے	1829	1171	171	36	40
باسمتی چاول	3395	2684	711	406	58	65
مکئی	4070	3062	963	153	26	29
گنا	9073	6536	2306	194	150	169
کپاس	6480	3413	3239	1329	41	46
چنا	1480	770	699	203	44	49
سرسوں توریا	2788	1004	1729	985	32	36
مسور	2592	710	1873	1253	14	16
مونگ	1720	512	1168	672	14	16
ماش	1370	593	766	270	14	16
ٹماٹر	18080	6358	11637	9405	54	60
کدو	12,500		6896	5904	54	60
آلو	28,000	14711	13194	10962	38	43
پیاز	12,500	5404	6969	4737	54	60
مرچ	15,824	6967	8771	6539	60	67
تربوز	7000	4486	2434	1442	27	30

نوٹ: مختلف فصلوں پر عشر کی مقررہ شرح کا چارٹ منسلک ہے۔

کم از کم اوسط پیداوار کم اوسط قیمت اجناس / برائے عشر

برائے مقامی زکواتہ وعشر کمیٹی ________ - کوڈ نمبر ________ موضع / محال

تحصیل ________ ضلع فیصل آباد (فصل ربیعہ 93-1992ء عشر سرکل)

حکم فیصلہ ضلعی زکواتہ وعشر کمیٹی فیصل آباد زیر قاعد ضمبر 5 حکم نمبر 7619 مورخہ 93-4-6

نمبر شمار	نام اجناس	کم اوسط پیداوار فی ایکڑ 100 کلو گرام	کم اوسط اجناس فی 100 کلوگرام	رقم شرح ایکڑ بعد منہائی اخراجات کاشت: ٹیوبویل $33\frac{1}{3}$ فیصد	طاو ٹیوب ویل 25 فیصد
			Gt108.	٤(54) /080	
1	گندم	540 کلوگرام فی ایکڑ	200/- روپے	36/- روپے	40/- روپے
2	جو	= 350	= 170/-	= 20/-	= 22/-
3	چنے	= 300	= ~~400~~ 440/-	= 44/-	= 49/-
4	دالیں	= 120	= 350/-	= 14/-	= 16/-
5	سرسوں توریا تارامیرا دیگر تیلدار اجناس	= 240	= 400/-	= 32/-	= 36/-
6	تمباکو	= 320	= 350/-	= 37/-	= 42/-
7	چارہ تجارتی ہر قسم	ایک ایکڑ میں جتنی پیداوار ہو	1000/- فی ایکڑ	= 33/-	= 37/-
8	سبزیات ہر قسم	=	= 1200/-	= 40/-	= 45/-
9	باغات ہر قسم	=	= 1800/-	= 60/-	= 68/-
10	بانس	=	= 9000/-	= 300/-	= 338/-
11	نرسری ہر قسم	=	-	= 175/-	= 200/-
12	خربوزہ - تربوزہ	=	-	= 27/-	= 30/-

نوٹ 1- مقامی زکواتہ کمیٹی ایسی فصلوں کے بارے میں عشر کی تشخیص حقیقی صورتحال پیداوار اور ریٹ کے مطابق خود کرے گی جنکا اس فارم میں زکر نہ ہے۔

2- فصل ربیعہ 93-1992ء کے دوران عشر کا نصاب 5 وسق (948 کلوگرام) گندم یا اسکی مالیت جو مبلغ 3081/- روپے ہوگا۔

(چیئرمین)

ضلعی زکواتہ وعشر کمیٹی فیصل آباد۔

فارم عشر

وضاحت طلب قاعدہ

نقشہ کم اوسط پیداوار کم اوسط قیمت اجناس برائے عشر ضلع فیصل آباد

مورخہ ... بحال

برائے مقامی زکوٰۃ و عشر کمیٹی

تحصیل

(فصل خریف 1991ء تمام عشر سرکل ہائے)

حکم فیصلہ ضلعی زکوٰۃ و عشر کمیٹی فیصل آباد زیر قاعدہ نمبر 2325 مورخہ 24 ستمبر 1991ء

	نمبر شمار	نام اجناس	کم اوسط پیداوار فی ایکڑ (کلوگرام میں)	کم اوسط قیمت اجناس (روپوں میں)	شرح عشر فی ایکڑ بحساب پیداوار 33 1/3 فیصد	بحساب ... 25 فیصد	کیفیت
✓	1	چاول باسمتی	1460 کلوگرام فی ایکڑ	1[illegible] روپے فی کلوگرام	58/- روپے	6[illegible]/- روپے	
✓	2	چاول اری وغیرہ	660	2 روپے فی کلوگرام	40/=	45/=	
	3	جوار	300	2-60	26/=	27/=	
✓	4	مکئی	300	2-55	26/=	29/=	
	5	باجرہ	300	3-60	36/=	40/=	
	6	تل	200	6-00	40/=	45/=	
✓	7	سرخ مرچ	200	9-00	60/=	67/=	
✓	8	آلو	1900	/60	38/=	43/=	
✓	9	گنا	12000	15/- روپے فی 40 کلوگرام	150/=	169/=	
✓	10	کپاس	200	246/- روپے فی 40 کلوگرام	41/=	46/=	
	11	سبزیات	ایک ایکڑ کی پیداوار	—	54/=	60/=	
✓	12	باغات	پیداوار فی ایکڑ	—	90/=	110/=	
	13	تجارتی چارہ ہر قسم	—	1200 روپے فی ایکڑ	40/=	45/=	

نوٹ: عشر کی وصولی کے ہدایات [illegible] زکوٰۃ انتظامیہ پنجاب کی جانب سے [illegible] فراہم کردہ ہدایات (ایل نمبر ...) جو جاری کی جائیں گی فصل خریف 1991ء [illegible]

کم سے کم [illegible] 20/- روپے ہوگا۔

CHAIRMAN,
Distt: Zakat & Ushr
Committee, Faisalabad

25 ایکٹر سے زائد اراضی کے مالکان کو 80 روپے فی ایکڑ سے لے کر 600 روپے فی ایکڑ تک مالیہ (Land Revenue) بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ زمین کی پیداواری صلاحیت و لیاقت کے حساب سے موجودہ شرح مالیہ یہ ہے۔

اول زمین 7.50	روپے فی ایکڑ فی انڈکس یونٹ یعنی	= 80x7.50 = 600 روپے فی ایکڑ
دوم قسم زمین 6.75	" " " " "	= 80x6.75 = 540 " "
سوئم قسم زمین 6.00	" " " " "	= 80x6.00 = 480 " "
چہارم قسم 4.75	" " " " "	= 80x4.75 = 380 " "
سیلابی زمین 1.00	" " " " "	= 80x1.00 = 80 " "

انہیں اس کے علاوہ آبیانہ بھی درج ذیل شرح سے دینا پڑتا ہے۔

مچھلی فارم	75--288 روپے فی ایکڑ
منظور شدہ باغ	69--30 //
عام باغ، سبزیات و پیاز وغیرہ	57--00 //
تمباکو۔ کپاس	46--20 //
عام چاول	44-00 //
چاول ری کلامیشن (5R)	77--00 //
لہسن۔ مصالحہ جات و ادویات	33-50 //
تیل دار اجناس	31--90 //
جنگلات	30--80 //
جو گندم، چری اور جنتر	29--40 //
مکئی	26--40 //
باجرہ، بانس، دالیں، مسور، مونگی	22--40 //
چارہ	18--70 //
نیشکر (گنا)	88--00 //

نوٹ موجودہ شرح آبیانہ میں 1998ء تک یا اس سے پہلے نئے قوانین بننے تک) خود بخود 10 فیصدی سالانہ کے حساب سے اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور اگر پاکستان کے موجودہ نہری نظام کو مستحکم کرنے کے لئے محکمہ انہار کو نجی تحویل میں دیا گیا تو آبیانہ کی شرح میں بہت زیادہ اضافہ ہو گا جبکہ حکومت کا کہنا ہے کہ ایسی صورت میں آبیانہ کی شرح صرف 7% سے 10% تک بڑھے گی۔

مذکورہ اخراجات کے علاوہ 95-1994ء میں ساڑھے 62 ایکڑ اور 96-1995ء میں 50 ایکڑ زرعی اراضی کی بنیادی چھوٹ دی گئی اس سے زائد زمین کے مالکان کو درج ذیل حساب سے زرعی دولت ٹیکس بھی دینا ہوگا۔

پہلے 5000	پیداواری یونٹ پر بحساب	.5٪ = 2500 فی پچیس ایکڑ یعنی	100 روپے فی ایکڑ
اگلے 5000	"""""""" 1٪ =	5000""""""""200	"""""
اگلے 5000	"""""""" 1.5٪ =	7500"""""""300	"""""
اگلے 5000	"""""""" 2٪ =	10,000"""""""400	"""""
اس سے اوپر والی جائیداد پر بحساب	2.5٪ =	12500""""""500	"""""

7

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وفاقی بجٹ 97-1996ء میں پیداواری انڈکس یونٹ کی قیمت 400 روپے مقرر کی گئی ہے۔ اب اس لحاظ سے بنیادی طور پر 2500 یونٹ یعنی سوا اکتیس ایکڑ قابل زمین دولت ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگی پھر ٹیکس کی موجودہ شرح میں 20 سے 30 فیصدی اضافہ کی بھی امید ہے۔ لہذا مذکورہ بالا "Rates" میں اضافہ کے سبب فی ایکڑ ٹیکس میں بھی اضافہ لازمی ہوگا۔

""New Economic Package 1993" کے تحت مرکزی حکومت کی طرف سے صوبوں کو اس ٹیکس کے علاوہ زرعی آمدنی پر بھی ایک نیا ٹیکس لگانے کی ہدایت کی گئی۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان نے اسکی منظوری بھی دے دی ہے جسکی رو سے 4000 یونٹ بحساب 250 روپے فی یونٹ یعنی دس لاکھ کی بنیادی چھوٹ دیکر اس سے زائد اراضی پر زیر کاشت رقبہ کی بنیاد پر 6،000 یونٹ تک 2 روپے فی یونٹ یعنی (80x2 160 روپے فی ایکڑ اور 600 پیداواری یونٹ سے زائد زمین کی آمدنی پر 3 روپے فی یونٹ کے حساب سے (240 = 80x3) روپے فی ایکڑ مزید ٹیکس بھی زمینداروں سے وصول کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بھی زمیندار کئی قسم کی محکمانہ فرمائشیں بھی پوری کرتے ہیں۔ حکومتی کارندے ان سے وقتاً فوقتاً اجناس، رقم، لکڑی اور جانور تک بطور بھتہ (Fatigue) بھی لیتے ہیں۔ اس بات کا اعتراف ٹوبہ ٹیک سنگھ میں مورخہ 95-11-5 کو منعقدہ "

آل پاکستان کسان کانفرنس" سے خطاب کرتے ہوئے فارمرز ایسوسی ایشن کے صدر، پاکستان زرعی ٹاسک فورس کے چیئرمین اور سابق وزیر مملکت برائے پارلیمانی امور جناب شاہ محمود قریشی نے کہا کہ زمیندار لوگ کئی قسم کے پوشیدہ ٹیکس بھی دیتے ہیں۔ زمینداروں اور کاشتکاروں کا یہ موقف بہت وزنی اور معقول معلوم ہوتا ہے کہ حکومت سرکاری محکموں و ملازمین میں آئے دن اضافہ کرتی رہتی ہے ۔جبکہ پہلے ہی سرکاری مشینری پر کل بجٹ کا 14 % خرچ ہورہا ہے ۔ واقعی اگر گذشتہ 40 یا 45 سالوں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک محکمہ کے کتنے ہی محکمے اور ہر محکمہ کے کتنے ہی ذیلی محکمے وجود میں آچکے ہیں اور سرکاری ملازمین کی تعداد میں اضافہ بھی ہورہا ہے ۔ جس طرح محکمہ خوراک کسی خاص مقصد کے لئے خاص حالات میں معرض وجود میں آیا ۔ اور نصف صدی گزرنے کے باوجود نہ صرف ابھی تک قائم ہے بلکہ اس میں مزید وسعت ہوئی ہے ۔گندم ذخیرہ کرنے اور راشننگ کے کام کے لئے اس محکمہ پر ایک ارب روپے سالانہ خرچ ہوتے ہیں جبکہ اسکی آمدنی ہے ہی نہیں ۔ اس محکمہ میں گریڈ 20 کا سیکرٹری ۔ گریڈ انیس کے ڈائریکٹرز ۔ گریڈ اٹھارہ کے ڈپٹی ڈائریکٹرز اور ہر ڈویژن ۔ ضلع و تحصیل کے سطح پر بیسیوں 16 اور سترہ گریڈ کے افسران موجود ہیں ۔ اسکے ساتھ ہی پاسکو بھی 1970ء میں قائم کردیا گیا ۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ محکمہ بھی وہی کام کرتا ۔

اسی طرح تین سال قبل حکومت نے ہیلتھ فاونڈیشن کے نام سے ایک نیا محکمہ کھولا ، سٹاف بھرتی ہوا ، کاریں خریدی گئیں اور دفاتر لئے گئے ۔ اس فاونڈیشن کے قیام کا مقصد دیہی علاقوں اور قصبوں میں نجی شعبہ کو ہسپتال اور کلینک کھولنے کے لئے آسان شرائط پر قرض کی فراہمی تھا ۔ لیکن حیرانگی اس بات پر ہوتی ہے کہ تین سال گذرنے کے بعد بھی ابھی تک کسی شخص کو قرضہ نہیں دیا گیا ۔

پھر وزراء ، وزراء مملکت ، مشیروں اور پارلیمانی سیکرٹریوں کی فوج ظفر موج کی تنخواہوں و الاونسوں ، شاہ خرچیوں اور اجتماعی و انفرادی دوروں پر اس ملک کا بے پناہ سرمایہ فضول لٹایا جاتا ہے ۔ ایسے غیر ضروری و فضول اخراجات کو پورا کرنے کے لئے حکومتیں عوام پر کئی قسم کے ٹیکسوں کا بوجھ ڈال دیتی ہیں۔ جو سراسر ناانصافی پر مبنی ہے ۔ لہذا حکومت آئے دن نئے نئے کثیر التعداد ٹیکس لگانے کا تجربہ کرنے کی بجائے سادہ انداز زندگی کو اپناتے ہوئے وہ اخراجات کرے جسکا ہمارا اسلامی اور ترقی پذیر ملک متحمل ہوسکتا ہے ۔

ہمارے ملک میں بے شک پیداوار میں اضافہ کی خاطر جدید زرعی آلات و مشینری کی سہولت مہیا کرنے کے

لئے حکومت بین الاقوامی اداروں کی مدد سے بے حد کوششیں کرتی ہے مگر بد قسمتی سے ترقی یافتہ ممالک میں ہونے والی پیداوار کے برابر زرعی پیداوار کے حصول میں ابھی تک ناکامی ہی کا سامنا ہے ۔ کیونکہ ابھی تک ہمارا ملک اپنی خوراک کے معاملے میں بھی خود کفیل نہیں ہوسکا اور بعض نامساعد حالات کے پیش نظر اشیاء خوردنی باہر کے ملکوں سے منگوانا پڑتی ہے۔

اب جاپان پوری دنیا میں سب سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے والا ملک بن گیا ہے کیونکہ وہاں چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی پر مشتمل چھوٹے چھوٹے زرعی فارم بنائے جاتے ہیں جن کو "Green Houses" کہا جاتا ہے ۔ ان فارموں میں فصلوں کو تیزی سے بڑھانے اور زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے جدید سائنسی و کیمیائی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں، موسمی اثرات کی بدولت بہت مفید ثابت ہوتے ہیں ۔ وہاں ایک گرین ہاؤس کا مالک بڑا معزز اور امیر شخص تصور کیا جاتا ہے جبکہ یہاں 25 ایکڑ تک زرعی زمین رکھنے والے زمیندار بھی بمشکل اپنا گزارہ چلاتے ہیں ۔ لہٰذا یہ تفاوت بھی قابل توجہ ہے۔ 8

فصل سوم: زرعی ٹیکسوں کے نفاذ کا تاریخی پس منظر:

اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے مختلف ادوار میں لگائے جانے والے زرعی محاصل کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ ضروریات زندگی اور عوام کی فلاح و بہبود اور نظام حکومت کو چلانے کے لئے "مصالح مرسلہ" کی خاطر مسلمان حکمرانوں نے وقتاً فوقتاً زرعی محاصل کس قدر بڑھائے گھٹائے اور اس میں بوقت ضرورت ردو بدل کی ہے۔

نبی اکرمؐ کے مبارک زمانہ میں زرعی زمینوں کی پیداوار عشر، فئی اور آخر میں عمان اور بحرین کی اراضی سے خراج بھی ذریعہ آمدن بن گیا ۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں زرعی زمینوں سے ذرائع آمدنی وہی تھے جو رسول اکرمؐ کے زمانہ مبارک میں تھے۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں سواد عراق کی مفتوحہ زمینوں کو ریاست کی ملکیت بنا کر ان پر خراج لگایا گیا جو قابل اعتماد اور مستقل ذریعہ آمدن بن گیا۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانوں میں نظام زرعی محاصل وہی رہا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مروج تھا۔

ان محاصل کے ساتھ ساتھ نبی اکرمؐ اور خلفائے راشدینؓ کے دور حکومت میں دفینوں اور معدنیات کا 1/5 حصہ لیا گیا اور سمندر سے حاصل شدہ پیداوار کا بھی 1/5 حصہ لیا جاتا رہا۔ اسی طرح لاوارث ترکے۔ مرتدین اور عقد ذمہ توڑنے والے غیر مسلموں کی جائیداد بھی بحق بیت المال منتقل ہو جاتی تھی۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور خلافت میں جنگلات کی پیداوار سے بھی آمدنی ہونا شروع ہوگئی تھی۔ اسکے علاوہ اراضی مملکت کو لگان پر دیا جاتا رہا جس سے مزید آمدن ہونے لگی۔

بنو امیہ کے دور میں بیت المال کے ذرائع آمدنی وہی رہے جو خلافت راشدہ میں تھے۔ البتہ عوام پر نئے ٹیکس لگانے اور بعض خلفاء کے ذاتی جاگیریں بنانے کے بارے میں شواہد بھی ملتے ہیں۔ مگر یہ واضح رہے کہ انہوں نے یہ جاگیریں عوام سے چھین کر نہیں بنائی تھیں۔ بنو امیہ کے دور میں جزیہ کی مقدار بھی بڑھا دی گئی اور مزید نئے ٹیکس بھی لگائے گئے۔ حجاج بن یوسف کے بھائی نے یمن کی زمینوں پر عشر کے علاوہ ایک اور ٹیکس بھی لگایا تھا۔ اسی طرح عراق کے باشندوں پر نئے ٹیکس عائد کر دئے گئے۔

رشید اختر ندوی لکھتے ہیں کہ عباسیوں کے شروع دور میں انکی آمدنی کے ذرائع صرف سات یعنی خراج، جزیہ، خُمس، غیر مسلموں کی تجارت پر محصول، غنائم، زکوٰۃ اور عشران کے علاوہ خلیفہ معتصم تک کسی دوسری مد پر نظر نہیں پڑی۔

دورِ انحطاط میں جب کہ عباسی خلافت کا دامن سمٹ گیا تھا افریقہ، مصر، فارس، خراسان، اور ماوراء النہر، یمن اور کئی دوسرے ملک ان کے اقتدار سے بغاوت کر گئے تھے۔ کئی اور مدیں متعارف ہوئیں اس لئے کہ آمدنی بہت گھٹ گئی تھی اور یہ کمی نئے طریقوں سے پوری کی گئی۔ ان میں سے دو طریقے درج ذیل ہیں۔

1 - ضربۃ الارث:

یہ بھی نئے ضرائب میں سے ایک ذریعہ تھا۔ یہ سب سے پہلے معتمد کے زمانہ میں متعارف ہوا۔ اس دور میں رعایا کے جو افراد لاوارث مرجاتے اور اپنے پیچھے بہت سا سامان چھوڑ جاتے تھے۔ اسے مستعیذ نے اپنے خزانہ میں داخل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد مستعیذ اپنے زمانہ میں اس سلسلے میں فقہاء سے استصواب کیا کہ آیا شریعت اسکی اجازت

بھی دیتی ہے یا نہیں - اس دور کے مشہور فقیہ قاضی یوسف بن یعقوب نے اسے غیر شرعی قراردیا۔ چنانچہ معتمد نے ضوبۃ الارث کی منسوخی کا حکم جاری کیا - یہ محکمہ توڑ کر اسکا روپیہ پیسہ ذوالاحام میں بانٹ دی - لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طریق کو کچھ زیادہ دوام نہیں ملا 351 ھ میں للوارث امراء کی وراثت پھر ریاست اپنے خزانہ میں داخل کرنے لگی اس کی ابتدا معزالدولہ نے درعلج نامی ایک امیر شخص کے متروکہ تین لاکھ مثقال سونا پر قبضہ کرلیا۔

2 - ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں لے جانے والے معادن پر بھی اسی دور میں محصول عائد کیا گیا ہے - نہروں کے رستوں پر بھی اور خشکی کی راہوں پر بھی ایسی چوکیاں بنائی گئیں جہاں سامان تجارت کا محاسبہ کیا جاتا - بغداد میں ابن رائق نے 324 ھ میں یہ طریق ایجاد کیا۔

جائیداد کی خرید وفروخت ، سراؤں اور مکانوں کی آمدنی پر بھی محصول لگایا گیا - سرکاری زمینوں پر جو مکانات بنائے جاتے ان سے بھی ریاست کرایہ یا محصول وصول کرتی تھی - شرابوں ، سبزیوں اور پھلوں پر بھی محصول عائد ہوئے - عضد الدولہ نے گھوڑوں ، خچروں اور گدھوں کی خرید وفروخت پر سرکاری حق مقرر کیا۔

بغداد اور دوسرے علاقوں میں روٹی اور ریشم کی مصنوعات پر بھی ٹیکس لگا- یہ کئی بار منسوخ ہوا اور کئی بار لگایا گیا - اسکی شرح قیمت کی دس فیصدی تھی - 330 ھ میں پہلی بار زیتون پر ضریبہ عائد ہوا- عبد الملک بن مروان نے اپنے غیر معمولی تدبر سے ٹیکس کا نظام نہایت مستحکم کیا۔ 9

عباسیوں نے زراعت کی ترقی کو اپنا نصب العین قرار دیا تھا اور زرعی ترقی کے لئے آب رسانی اور دوسری تدابیر اختیار کیں - خلیفہ متوکل کے زمانہ میں احمد بن مدبر مصر کا خراج افسر مقرر کیا گیا - اس نے بہت سے جدید ٹیکس عائد کردئے اور نہایت سختی سے انھیں وصول بھی کیا اس نے بلاد مصر کی اراضی کا ٹیکس دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا - خوارجی وہلالی - پہلا ٹیکس غلے ، کھجوروں ، انگور کی بیلوں اور میوہ جات کے باغات کی پیداوار پر لیا جاتا تھا - ہلالی گھاس اور پھلوں وغیرہ کا ٹیکس تھا۔

اس کے بعد فاطمیوں کے دور میں بھی ٹیکس کا دائرہ کار خاصا وسیع کردیا گیا اور مستنصر فاطمی نے بالخصوص اپنے آخری دور یعنی 487ھ میں ٹیکس کی مقدار میں نہ صرف اضافہ کردیا تھا بلکہ اس زمانہ میں ان اشیاء پر بھی ٹیکس لگادئے گئے جب پر اسلامی فتوحات سے لے کر اس وقت تک کسی مرمانروا کے زمانہ میں عائد نہ کئے گئے تھے -

فاطمیوں کے دور میں 1228 گاؤں اور 834 قصبے اور شہر تھے اور ان سے خراج کی آمدنی تین لاکھ اکسٹھ ہزار دینار تک پہنچ گئی تھی - فاطمیوں نے کاشتکاروں کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک کیا خصوصا مفرالدین اور عزیزالدین کے عہد میں انکی فلاح و بہبود کے علاوہ غیر معمولی عنایات بھی کی گئیں -

مملوک سلاطین نے زراعت کی ترقی کی جانب خصوصی توجہ دی اس دور میں دریائے نیل سے کاٹ کر بڑی بڑی نہریں جاری کی گئیں - ملک کے گوشے گوشے میں دو قسم کے پل تعیر کئے گئے پہلی قسم کے شاہی پل تھے جو ملک کے مفاد عامہ سے تعلق رکھتے تھے اور لگان کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ ان پر خرچ کیا جاتا تھا -

دوسری قسم کے پل " بلدیہ " کہلاتے تھے - ان کا مفاد مقامی تھا اور ان کے اخراجات بھی مقامی کاشتکاروں کو برداشت کرنا پڑتے تھے - 10

زرعی محاصل کے طریقے اور شرح :

حضور اکرم ؐ کے زمانہ مبارک سے لے کر عباسی خلیفہ مہدی کے دور تک " خراج بالمساحة " یعنی کھیتی باڑی کے رقبہ کی پیمائش کرکے مختلف اجناس پر مختلف شرح سے خراج وصول کرنا رائج تھا - خلیفہ مہدی نے اس نظام کو بدل کر پیداوار کا ایک معین حصہ 1/3 یا 1/4 خراج مقرر کیا - اور مختلف قسم کی زمینوں کے لئے مختلف شرحیں مقرر کیں - جب ہارون الرشید برسراقتدار آئے تو انہوں نے امام ابو یوسف ؒ سے عادلانہ نظام مالیات وضع کرنے کی درخواست کی جس پر انہوں نے اپنی مشہور کتاب " کتاب الخراج " تصنیف کی اور خراج مقاسمہ کی سفارش کی -

حضرت عمرو بن العاص ؓ نے اسکندریہ اور مصر کے دوسرے صوبوں پر قبضہ کرنے کے بعد پہلے سال باشندوں سے پیداوار کا دو فیصدی وصول کیا -

اسی طرح معزالدین فاطمی نے اپنے عہد حکومت (341 - 365 ھ) میں یعقوب بن کلس اور علوج بن حسن کو ٹیکس کا جدید نظام مرتب کرنے پر مامور کیا تھا - ان دونوں نے پیداوار کی مختلف اقسام کا جائزہ لیا اور اس کے بعد نظام ٹیکس کا ایک جدید خاکہ بنایا پھر مستنصر فاطمی نے بھی آخری دور میں ٹیکس میں بھی اضافہ کردیا اور کئی اشیاء پر نئے ٹیکس بھی لگادئے تھے -

مملوک سلطان ناصر کے عہد حکومت میں زمین کی پیداوار پر مختلف لگان تھا - سمندر کے محاذ کے قریب والی زمین سے ٹیکس پیداوار کی شکل میں لیا جاتا تھا - یہ پیداوار گندم ، جو ، تل ، لوبیا ، مسور اور پیاز کی تھی- ان پر عموماً ٹیکس ایک فدان پر دو ارب سے تین ارب تک مقرر تھا - ساحلی علاقہ کا ٹیکس عموماً نقدی کی صورت میں لیاجاتا تھا اور 790 ھ میں اسکی مقدار دس روپے فی فدان غیر معمولی زرخیز زمین سے وصول کیا جاتا تھا-اور ساڑھے سات روپے فی فدان متوسط زرخیز علاقہ سے لیا جاتا تھا - اس ٹیکس میں پیداوار کی قلت اور زیادتی کی بنا پر کمی بیشی ہوتی رہتی تھی -الغرض زمانہ خلافت میں زرعی ٹیکس لگانے سے پہلے دو باتوں کو خصوصی طور پر ملحوظ رکھا جاتا تھا - پہلی - کاشتکاروں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا اور دوسری بات پیداوار میں اضافہ کرکے عامۃ الناس کی خوشحالی کی فضا پیدا کرنا -

اس لئے پیداوار پر ٹیکس لگانے سے قبل زمین اور کاشت کاری کی حالت اور پیداواری اخراجات اور محنت پر نظر رکھنا ضروری ہوتا تھا کہ کسی حیثیت سے کاشتکار کی حق تلفی نہ ہونے پائے اور اسکی برداشت و استطاعت سے زیادہ دباؤ نہ ڈالا جائے تاکہ ظلم و زیادتی کا شائبہ نہ پایا جائے -

حضرت عمرؓ نے سواد عراق پر جو خراج مقرر کیا تھا وہ عراق کے دوسرے اطراف سے مختلف تھا - اسی طرح شام کے خراج کی مقدار عراق سے مختلف تھی- اسی طرح بعض جگہ زمین کی صلاحیت و لیاقت اور قوت کے لحاظ سے شرح لگان میں تفاوت تھا - اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست کو حالات اور مقامات کے لحاظ سے ٹیکس بڑھانے و گھٹانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے -

جس طرح پاکستان کے مختلف صوبوں، ڈویژن، اضلاع اور تحصیل کی سطح سے بھی کم سطح تک زمین کی پیداواری صلاحیت کے مطابق پروڈیوس انڈکس یونٹ کے لحاظ سے ٹیکس لیاجاتا ہے -اسکی مثال یہ ہے کہ صوبہ پنجاب کے قابل کاشت قطعات اراضی پر 50 ایکڑ اور بلوچستان میں 400 ایکڑ زمین کی بنیادی چھوٹ دی گئی ہے -یعنی بلوچستان کی زمینوں کی لیاقت ہمارے ہاں اچھی زمینوں کی صلاحیت سے آٹھ گنا کم ہے - اور اسی لئے اسی تفاوت کے پیش نظر بنیادی چھوٹ میں بھی تفاوت ہے -

زکوٰۃ واجبہ کے علاوہ ٹیکس لگانے کا حکومتی استحقاق:

تفصیلی بحث سے پہلے زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق بیان کرنا ضروری ہے - زکوٰۃ کے متعلق پہلی بات یہ سمجھ لینی

چاہیئے کہ یہ ٹیکس نہیں بلکہ ایک عبادت اور رکن اسلام ہے اس لئے لوگوں سے ٹیکس لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب زکوٰۃ کی ضرورت باقی نہیں رہی - اور اسے اپنے Taxation کے نظام کی جگہ نکالنے کے لئے مناسب ترمیمات کرنی ہوں گی۔

اسکے علاوہ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ حکومت کے موجودہ ٹیکسوں میں کوئی ٹیکس نہ ان مقاصد کے لئے لگایا جاتا ہے اور نہ ان طریقوں سے صرف کیا جاتا ہے جو قرآن میں زکوٰۃ کے متعلق مقرر کئے گئے ہیں اس لئے زکوٰۃ کو حکومت کے ٹیکسوں کے ساتھ خلط ملط کرنا ہر لحاظ سے غلط ہے - ان دونوں کے مصارف بھی جدا جدا ہیں۔ 11

انسائیکلو پیڈیا امریکنا میں ٹیکس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

وہ ضروری ادائیگیاں جو حکومت کو خدمت عامہ کی غرض سے دی جاتی ہیں ٹیکس کہلاتی ہیں۔

Taxes are compulsory payments to the government to support the public services (10-A)

ڈاکٹر جی - فنڈ کے نزدیک ٹیکس وہ لازمی چندہ ہے جو حکام مجاز کو اس غرض سے ادا کیا جاتا ہے کہ حکومت نے مفاد عامہ پر جو اخراجات صرف کئے ہیں انکی کفالت ہو سکے

Taxes are compulsory contributions to public authorities to meet the general expenses of Government which have been incurred for thr public good (10-B)

راجہ آئی چلیا یوں رقم طراز ہیں ٹیکس کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ یہ حاکم مجاز کو ادا کی جانے والی وہ لازمی ادائیگی ہے جس میں ادا کنندہ کو کوئی قابل پیمائش اور براہ راست نفع حاصل نہیں ہوتا۔

A Tax has been defined as a compulsory payment to a public authority in return for which the tax payer receives no measurable direct benifit (10-C)

ٹیکس کے مصارف میں دفاع - پولیس - تعلیم - عدالتیں - صحت عامہ - ذرائع رسل و رسائل نظم و نسق عامہ - آبپاشی - خیراتی ادارے بے روزگار کی امداد پنشن - (تفریح گاہیں - اور عجائب گھر ولائبریریاں ہیں)

زکوٰۃ اور موجودہ ٹیکس اپنے بعض مقاصد و دائرہ کار میں ایک دوسرے سے خاصے جدا جدا ہیں اور ان کے نصاب شرح اور مصارف میں خاصہ فرق ہے - زکوٰۃ کے اندر یہ امتیازات موجود ہیں کہ اس کی ادئیگی میں عبارت کا تصور۔

(نوٹ حوالہ جات 10/A-B-C اس باب کے حوالہ جات کے آخر میں دیئے گئے ہیں)

رحمت کا حصول - سخاوت کا ملکہ - ایثار کا جذبہ - فرما ہوتا ہے نیز دونوں کے مصارف بھی الگ الگ ہیں اس لئے یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی سکتے ہیں نہ ہی ایک دوسرے کو ساقط کر سکتے ہیں -

زکوٰۃ اور انکم ٹیکس کا فرق بیان کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں یہ فرق ہے
کہ حکومت ٹیکس لے کر اپنے کاموں میں خرچ کرتی ہے اور اسلام ٹیکس کی رقمیں
غرباء و مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کرا دیتا ہے - 12

اسلامی ریاست کی اجتماعی و فلاحی سکیموں اور منصوبوں کے لئے اسلام کے مالیاتی نظام میں دس بارہ قسم کے ذرائع آمدنی مروج رہے ہیں - لیکن اسلامی ریاست کو ان کے علاوہ اور ہنگامی ٹیکس بوقت ضرورت عائد کرنے کی مشروط اجازت بھی ہے - ان ٹیکسوں کو فقہی اصطلاح میں "ضرائب و نوائب" کہا جاتا ہے - قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے -

"ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو" (البقرہ: 2: 219)

ترجمہ = اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ کہہ دیجئے کہ جو ضرورت سے زائد ہو -

اس آیت قرآنیہ میں اللہ کے راستے میں ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کی رضاکارانہ طور پر ترغیب دی گئی ہے - اسی طرح "وفی اموالھم حق للسائل والمحروم" ترجمہ: ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور تنگ دستوں کا حق ہے - (الذاریات: 19)

اس آیت قرآنی میں بھی صاحب ثروت لوگوں کے مالوں میں سوالیوں اور تنگ دستوں کے حق سے مراد زکوٰۃ ہی ہے -

ڈاکٹر نور محمد غفاری نے ابو عبید قاسم بن سلام کے حوالے سے حکومت کے اس حق کے جواز میں یہ حدیث پیش کی ہے -

"عن عمر رضی اللہ عنہ انہ قال ! فی مالک حق سوی الزکوٰۃ" 13

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے -

سید قطب شہید نے ترمذی کے حوالے سے "اسی حدیث کو یوں نقل کیا ہے - "ان فی المال حقا سوی الزکاۃ" اور اس سے زکوٰۃ کے علاوہ حکومت کو ٹیکس لگانے کے اختیار کے حق میں استدلال کیا ہے - دوران تخریج اس حدیث کے متعلق یہ حقائق سامنے آئے ہیں - سنن دارمی میں اس حدیث کو یوں بیان کیا گیا ہے -

" اخبرنا محمد بن الطفیل حدثنا شریک بن ابی حمزہ عن عامر بن فاطمہ بنت القیس قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان فی اموالکم حقا سوی الزکوٰۃ" 14

ترجمہ: ہمیں محمد بن طفیل نے خبر دی ہے کہ ہم سے شریک بن ابی حمزہ نے عامر بن فاطمہ بنت قیس سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ بے شک تمہارے مالوں میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے -

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے ترمذی شریف کی ان احادیث کے متعلق لکھا ہے کہ

" ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ " اور " وان فی المال حقا سوی الزکوٰۃ"

یہ ابو حمزہ کی وجہ سے ضعیف ہے - پھر فرماتے ہیں " قال احمد بن جنبلؒ ھذا متروک الحدیث وقال الدار قطنی ضعیف وقال البخاری لیس بقوی عندھم وقال النسائی لیس بثقۃ کذافی المیزان " 15

ترجمہ: احمد بن جنبلؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث متروک ہے اور دار قطنی نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ان کے نزدیک یہ حدیث قوی نہ ہے اور امام نسائیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث میزان میں ثقہ نہیں ہے -

علامہ ابن العربی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں -

" واذا کان الحدیث ضعیفاً فلا یشتغل بہ وقال ابو حمزہ میمون الاعور وھو ضعیف " 16

ترجمہ: اور جب حدیث ضعیف ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جاتا اور ابو حمزہ میمون الاعور نے کہا کہ وہ ضعیف حدیث ہے -

اسی طرح مولانا محمد یوسف بنوری نے اس حدیث کے متعلق انور شاہ کشمیری کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے -

" قال الشیخ (انور شاہ کشمیری) " ان فی المال حقا سوی الزکوٰۃ" ولکنہ غیر منضبط " 17

ترجمہ : شیخ یعنی انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ " بے شک تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے " اور لیکن یہ حدیث غیر منضبط ہے -

محمد بن عبداللہ علوی نے بھی اس حدیث کو سنن ابی ماجہ کی شرح میں اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے مگر اسکے الفاظ یہ ہیں -

" لیس فی المال حق سوی الزکوٰۃ "

کہ زکوٰۃ کے علاوہ مسلمانوں کے مالوں میں کوئی اور حق (واجب) نہیں - لہٰذا یہ حدیث مضطرب ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہے - کیونکہ اسی سند کے ساتھ دوسری حدیث میں مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور حق بھی ہے، آیا ہے - سند ایک ہونے کے باوجود دونوں احادیث متعارض نظر آتی ہیں - 18

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ

" ومثال الاضطراب فی المتن : فیما اورده العراقی : حدیث فاطمہ بنت قیس قالت : سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الزکوٰۃ : فقال ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ رواہ الترمذی ھکذا من روایۃ شریک عن ابی حمزہ عن الشطبی عن فاطمہ ورواہ ابن ماجہ من ھذا الوجہ بلفظ : لیس فی المال حق سوی الزکوٰۃ : قال ھذا اضطراب لایحتمل التاویل " 19

ترجمہ : متن میں اضطراب کی مثال یہ ہے کہ عراقی میں وارد ہے کہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث میں آیا ہے کہ اس نے کہا کہ نبی اکرمؐ سے زکوٰۃ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک مال میں تاکید حق ہے زکوٰۃ کے علاوہ : امام ترمذی نے اسکو شریک بن ابی حمزہ اور انہوں نے شطبی سے اور انہوں نے فاطمہ سے روایت کیا - اور ابن ماجہ نے اس وجہ سے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ " مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی حق (لازم) نہیں ہے " اور کہا کہ یہ اضطراب ہے اور اسکی تاویل کا بھی احتمال نہیں کیا جاسکتا -

زکوٰۃ کے علاوہ دیگر ٹیکس لگانے کے حکومتی استحقاق کی تائید میں ابن حزم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

روایت کیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کے مالوں میں اس قدر فرض کر دیا ہے کہ ان کے فقراء کی کفالت کرسکے - پس اگر حقدار بھوکے ہیں - یا ننگے ہیں اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہوگا کہ اغنیاء اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں -

"عن علی ابن طالب یقول ان اللّٰہ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر مایکفی فقرآءھم فان جاعوا اوعروا جھدوا فتیمتع الاغنیاء"

ابوعبید قاسم بن سلام کے مطابق حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین اسی حق میں ہیں - فقہاء کرام میں عطاابن ابی ریاح ، امام شیخ طاؤس حماد بن سلمہ اور ابوعبید کا بھی یہی مسلک ہے -

ابن حزم نے تو یہاں تک تحریر کیا ہے "

وفرض علی الاغنیآء من اھل کل بلدان ان یقوموا بفقرائھم و یجبر ھم السلطان علٰی ذالک ان لم تقیم الزکٰوۃ بھم" 20

ترجمہ : اور ہر شہر کے مالدار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے محتاجوں کی کفالت کریں اور سلطان انہیں اس بات پر مجبور کرسکتا ہے بشرطیکہ زکٰوۃ کی آمدنی اس مقصد کے لئے ناکافی ہو-

اس طرح کے ضرائب کی مثال غزوہ تبوک کے لئے آنحضرتؐ کا صحابہ کرامؓ سے چندہ لینا ہے - جس کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے گھر کا سارا مال پیش کردیا تھا - یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے انہیں گھر کا سارا سامان دینے کا حکم ہرگز نہیں دیا تھا- انہوں نے رضاکارانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے آپؐ کی خدمت میں پیش کردیا تھا-

اس واقعہ کے پیش نظر فقہائے اسلام کے نزدیک ناگہانی صورت حال مثلاً حادثہ جہاد، قحط وسیلاب وغیرہ کی صورت میں سرکاری خزانہ کی مدد کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ بن جاتا ہے اور اگر ضرورت ایسی ہو کہ کسی خاص علاقہ کے لئے مخصوص ہو تو اسکی ذمہ داری عام نہیں ہوگی -

اسی طرح ایسے جدید محاصل جو جائز طور پر لگائے گئے ہوں جیسے مشترکہ نہر کھودنے کے لئے یا پہرے دار کی اجرت کے لئے یا اسلامی فوج کو اسلحہ سے لیس کرنے کے لئے، جنگی قیدیوں کے لئے یا اس طرح کے دیگر رفاہی کاموں کے لئے تو ایسے محاصل کی ادائیگی بالاتفاق جائز ہے -

ان ٹیکسوں کی ضرورت پر علامہ ابن ہمامؒ نے اپنی رائے یوں پیش کی ہے کہ

" ایسے نئے محصول کی ادائیگی صاحب استطاعت مسلمان پر واجب ہے کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت ہر ایسے امر میں واجب ہے جس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو- 21

البتہ ایسے محاصل جو مفاد عامہ کے لئے نہ ہوں ان کی ادائیگی میں فقہاء کا اختلاف ہے - الماوردی نے جائز ٹیکسوں کے لئے حاکم وقت کے ساتھ تعاون کے سلسلے میں یہ نہایت بلیغ جملہ کہا ہے

"لان الزیادۃ ظلم فی حقوق الرعیۃ والنقصان ظلم فی حقوق بیت المال" 22

ترجمہ: کیونکہ زیادتی رعایا کے حقوق پر ظلم اور کمی بیت المال کے حقوق پر ظلم ہے -

گویا مذکورہ مفاد عامہ اور آسمانی آفتوں کی صورت میں یہی نکتہ و مقصد کار فرما ہے کہ اگر ان ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سرکاری خزانہ میں اتنی رقم موجود نہ ہو تو عوام پر حکمرانوں کا ٹیکس لگانا یا چندہ کی اپیل کرنا جائز ہے کیونکہ ایسے جدید ضرائب صرف مصیبت اور جہاد میں اعانت کرنے کی خاطر ہی لگائے جاسکتے ہیں -

سیّد قطب شہیدؒ "زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے محاصل" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ وہ واحد حق نہیں جو مال میں عائد ہوتا ہو - درحقیقت زکوٰۃ مال و دولت پر لگائے جانے والے ٹیکس کی ادنیٰ ترین شرح ہے - اور یہ ان حالات کے لئے ہے جبکہ جماعت کو محاصل زکوٰۃ کے بعد مزید فنڈ کی ضرورت نہ پڑے - ایسے حالات میں جبکہ زکوٰۃ کی آمدنی ناکافی ہو - اسلام کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں اس لئے شریعت اسلامی کو نافذ کرنے والے صاحب امر کو سرمایہ پر ٹیکس لگانے کے وسیع اختیار دئے گئے ہیں وہ سرمایہ میں سے اس قدر طلب کرلینے کا مجاز ہے جس قدر کہ اصلاح حال کے لئے ضروری ہو - چنانچہ انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں وہی حدیث بیان کی ہے -

"ان فی المال حقا سوی الزکٰوۃ "(3)

بہرحال اس حدیث کو ٹیکس کے جواز اور عدم جواز دونوں کے لئے حجت اور دلیل نہیں بنایا جاسکتا ہے کیونکہ یہ ضعیف ، متروک ، غیر قوی ، غیر منضبط ، اور مضطرب حدیث ہے - اس کا تفصیلی بیان اس فصل کے آغاز میں گزر چکا ہے -

اسلامی قانون سازی میں "مصالح مرسلہ " اور " سد ذرائع " کے اصول اپنے اندر اتنی وسعت رکھتے ہیں کہ ان کے تحت ہر طرح کے سماجی مصالح کا حصول اور ہر طرح کے مضر کاموں کا ازالہ ممکن ہے - لہذا مصالح مرسلہ کے مفہوم و وسعت کے متعلق چند وضاحتیں پیش کرنا نہایت ضروری ہے -

" مصالح مرسلہ " وہ مصالح یعنی اچھے کام جن کے شرعاً معتبر ہونے پر کتاب و سنت کی کوئی نص دلالت نہ کرتی ہو مصالح مرسلہ کہلاتے ہیں - یہ بات فقہا کے نزدیک مختلف فیہ ہے کہ ان مصالح کا اعتبار و لحاظ اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے کہ نہیں - بلا استثناء تمام ثقہ فقہانے ان مصالح کو ملحوظ رکھا ہے اور انہیں دلیل کے طور پر استعمال بھی کیا ہے اگرچہ ان میں سے اکثریت نے مصالح مرسلہ کو ایک بنیادی اصول تسلیم کرنے سے انکار کیا ہیں -

کئی لوگ مصلحت مرسلہ کا انکار کرتے ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ جب بھی فقہاء دو ہم جنس (ایک جیسے) امور میں مختلف امور تجویز کرتے ہیں یا دو مختلف امور کو ایک ہی حکم کے تحت قرار دیتے ہیں تو مطلق مصلحت کا اعتبار کرتے ہیں - اسی کو دوسرے لفظوں میں مصالح مرسلہ پر اعتبار کرنا کہا جاتا ہے - 23

مذکورہ بالا آراء کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ معتدل رائے ہی اقرب الی الصواب نظر آتی ہے کہ مصالح مرسلہ کا اعتبار صرف ان امور میں کیا جائے گا جن میں نص قطعی وارد نہ ہوئی ہو - لہذا مسائل عامہ میں مصلحت مرسلہ کی ایک بقدر ضرورت فنڈ موجود نہ ہو تو حکمران مال داروں پر بقدر ضرورت ٹیکس عائد کر سکتا ہے جب تک کہ خزانہ میں دوسری مدات سے کچھ آمدنی بقدر ضرورت نہ آجائے یہ طریقہ اختیار کرنا انتہائی معقول نظر آتا ہے -

البتہ مسلمان حکمران کو چاہئے کہ یہ ٹیکس فصل کٹنے اور پھلوں کے توڑے جانے کے وقت وصول کرے

تاکہ اس کی ادائیگی رعایا کے لئے آسان ہو جائے اور کسی قسم کی بددلی غلط فہمی اور مخالفت نہ پیدا ہوسکے -

فقہائے کرام کی آراء:

فقہا کے مابین عہد قدیم سے یہ اختلاف موجود ہے کہ کیا زکوٰۃ کے علاوہ بھی اسلامی حکومت کوئی حق وصول کر سکتی ہے ؟ یہ حقیقت کہ اگر زکوٰۃ کی مقررہ شرح ثابت اور ناقابل تغیر نہ ہوتی تو اس اختلاف کی کوئی بھی وجہ نہیں تھی- اس اختلاف سے یہی پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ کی مقررہ شرح ثابت اور غیر متغیر ہے اور اسی لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور حق (Tax) عائد کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ اس سلسلے میں متعدد فقہائے کرام کی آراء پیش کی جارہی ہیں تاکہ ان کی روشنی میں یہ معمہ مناسب طریقے سے حل ہوسکے -

مورخہ 21 جون 1996ء کو جسٹس محمد کرم شاہ الازہری نے بتایا کہ "اسلام میں مسلمانوں پر عشر (اور بعض مخصوص صورتوں میں خراج بھی) واجب ہے جبکہ خراج غیر مسلموں پر حکومت کی طرف سے واجب ہے- کیونکہ عشر دراصل زمینی پیداوار کی زکوٰۃ ہے اور یہ مسلمانوں کی ہی پیداوار پر لازم ہے اور کوئی غیر مسلم اس عبادت کا اہل نہیں ہے- لہذا غیر مسلموں پر لگایا جانے والا ٹیکس دراصل "اجرت ارض" یعنی زمین کے استعمال و تصرف کا کرایہ ہے- باقی رہا مسئلہ زرعی ٹیکس کے جواز و عدم جواز کا تو اس ضمن میں عرض ہے کہ یہ سب پر واضح ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کے علاوہ ٹیکس کے چند مخصوص حالات میں چند شرائط کے ساتھ ہی لگانے کا حکمرانوں کو اختیار ہے -سب سے پہلے ضروری ہے کہ زکوٰۃ الارض (عشر) کے آفاقی نظام کو مستحکم بنایا جائے اور پھر اس کے ثمرات و آمدنی کو جانچنے کے بعد کہ آیا یہ سرمایہ حکومتی جائز ضرورت کو پورا کرسکتا ہے تو ٹھیک ورنہ ہنگامی اور غیر دوامی (Interim) زرعی ٹیکس لگایا جائے اور خزانہ میں دوسری مدات سے آمدنی ہو جانے یا ناگہانی آفت کے ٹل جانے کی صورت میں وہ ٹیکس ختم کر دیا جائے -

انہوں نے مزید کہا کہ :

دوسرا مسئلہ رہا زرعی دولت ٹیکس یا زرعی آمدنی ٹیکس کا تو جہاں تک میرے علم

میں ہے زرعی دولت ٹیکس تو سراسر غیر شرعی ہے البتہ عشر سے زرعی آمدنی پر زکوٰۃ کی مثل زرعی آمدنی پر ہی عارضی ٹیکس لگایا جاسکتا ہے ۔جبکہ اس کے مصرف کا یقین مصالح مرسلہ سے مطابقت رکھتا ہو" ۔

ادارہ مصارف اسلامی منصورہ لاہور کے مولانا عبدالمالک صاحب نے اس سلسلے میں خط کے جواب میں لکھا کہ :

عشری زمینوں پر عشر واجب ہوگا۔ خراجی زمینوں پر خراج یعنی زمین کی پیداواری صلاحیت کو دیکھ کر اس پر ایک مقررہ ٹیکس عائد کر دیا جائے ۔ عشر مسلمانوں پر واجب ہے جبکہ خراج مقاسمہ و خراج موظف غیر مسلموں پر۔

اگر ضرورت نہ پڑے تو مقررہ ڈیوٹی پر ہی اکتفا کیا جائے ۔ اگر ضرورت ہو تو پھر مزید ٹیکس لگائے جاسکتے ہیں ۔ زمین پر ٹیکس پیداوار ہی کے مناسب حصہ کی صورت میں یا زیادہ پیداوار والی زمین پر زیادہ اور کم پیداوار والی زمین پر کم لگایا جائے ۔ لیکن زمین کی مالیت کی تشخیص کر کے اس کے مطابق ٹیکس لگانا درست نہیں یعنی یہ ٹیکس کہ زرعی زمین ایک مربعہ (25 ایکڑ) ہے اس کی مالیت پانچ لاکھ ہے تو اس طریقہ سے زمیندار سے ایک مرتبہ ہی اتنا ٹیکس وصول کر لیا جائے گا کہ مالک زمین پانچ دس سال تک اس بوجھ کے نیچے دبا رہے گا اور پھر سال بہ سال ٹیکس ادا کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہوگا۔ اس لئے زمین پر ڈیوٹی کی وہی شکلیں درست ہیں جو پہلے سے اسلام میں رائج ہیں۔ موجودہ حکومتیں زرعی سرمایہ پر اس طرح سے ٹیکس لگائیں کہ زمین کی مالیت کو پیش نظر رکھیں اور پیداوار کے حساب سے ٹیکس نہ لگائیں تو یہ طریقہ درست نہ ہوگا۔

پروفیسر غلام سرور مرحوم نے قانون زکوٰۃ و عشر چند "شبہات کا ازالہ" کے عنوان کے تحت اس سوال کہ کیا قانون زکوٰۃ عشر کے نفاذ کے بعد کسی نئے ٹیکس خصوصاً آمدنی ٹیکس اور دولت ٹیکس کی وصولی جائز ہے ؟ کے جواب میں لکھا ہے :

جی ہاں! بالکل جائز ہے ۔ زکوٰۃ کا نصاب اس کی شرح اور اس کے مصارف قطعاً متعین ہیں ۔ ان میں کسی قسم کی ترمیم

ممکن نہیں - لہذا اگر حکومت کو دوسری ضرورت کے لئے مالی وسائل کی ضرورت ہو تو وہ ایسے وسائل قوم سے حاصل کرنے کا حق رکھتی ہے - اگر یہ حصول لازماً ہو تو ٹیکس ہے اور رضا کارانہ ہو تو عطیہ ہے اور اگر بشرط واپسی ہو تو قرض ہے زکوٰۃ اور ٹیکس نہ ایک دوسرے کی جگہ لے سکتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کو ساقط کر سکتے ہیں - اصولی اور عملی اعتبار سے زکوٰۃ اور ٹیکس کے فرق کے بارے میں درج ذیل نکات قابل غور ہیں-

زکوٰۃ مالی عبادت ہے جو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے - ٹیکس حکومت وقت اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے لگاتی ہے - زکوٰۃ کبھی ساقط نہیں ہو سکتی، ٹیکس لگ بھی سکتا ہے مٹ بھی سکتا ہے زکوٰۃ کا نصاب اور شرح متعین ہے، ان میں قطعاً کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی - لیکن ٹیکس کی حد اور شرح گھٹ بڑھ سکتی ہے - مصارف زکوٰۃ مخصوص ہیں، ٹیکس کو حکومت اپنی ملکی ضرریات پر صرف کر سکتی ہے 24

مولانا محمد تقی امینی لکھتے ہیں کہ :

ہر حکومت کو نظام حکومت چلانے کے لئے خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے اور خزانہ کی آمدنی کا ذریعہ بالعموم ٹیکس ہوتا ہے جو عام لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے یہ ٹیکس بہت سی چیزوں پر لگایا جاتا ہے جس کی وصولی و تحصیل کے لئے مختلف قواعد وضوابط مقرر ہوتے ہیں - لیکن ان میں سے زیادہ اہم ٹیکس وہ ہوتا ہے جو زمین پر لگایا جاتا ہے اور اس سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ کاشتکاروں کی آمدنی کا کچھ حصہ ایک جگہ جمع کر کے حکومت اسے مفاد عامہ کے کاموں میں خرچ کرے اور لوگوں کا عام معیار بلند ہو - 25

علامہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاں تک عصری اجتماعی ضروریات کی کفالت کا تعلق ہے اور ایک جدید دور کی حکومت کے ضروری مصارف کو پورا کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ اور ٹیکس بھی عائد کئے جاسکتے ہیں- اس لئے دور جدید کی ریاستیں اپنے باشندوں پر جائیداد ٹیکس عائد کرتی ہیں اور یہ ٹیکس بطور سزا

نہیں ہوتا ہے بلکہ اس ٹیکس کی ادائیگی سے صاحب جائیداد لوگ حکومتی کاموں میں حصہ دار بنتے ہیں۔

اس کے علاوہ دولت ٹیکس کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ واقعی صورت حال یہ ہے کہ آج کی حکومتیں عام زرعی زمینوں پر خالص جائیداد ٹیکس (Wealth Tax) عائد کرتی ہیں اور اس میں زمین کے عشری اور غیر عشری ہونے کو بھی بعض اوقات مدنظر نہیں رکھتیں۔ عملی طور پر بھی یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہر مسلمان کی ملکیتی زمین کی پیدوار پر عشر یا نصف عشر عائد کیا جائے اور جائیداد ٹیکس ہر وہ شخص ادا کرے جو زمین کا مالک ہے 26

شیخ محمد شلتوت نے بھی اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیح مسلم حکمران ضرورت کے وقت کے تقاضے کے تحت مسلمانوں اور غیر مسلموں پر ایسا ٹیکس عائد کر سکتا ہے جس کا مقصد ریاست کا تحفظ اور قوم کی قوت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے واجب کردہ صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ اس قسم کے ٹیکس سے مانع نہیں۔ 27

سید ابو الاعلیٰ مودودی اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

اسلام میں زکوٰۃ وصول کرنے کے ساتھ ساتھ انکم ٹیکس عائد کرنا جائز ہے کیونکہ اسلامی ریاست میں یہ دونوں چیزیں جائز ہو سکتی ہیں۔ زکوٰۃ کے مصارف بالکل متعین ہیں۔ اسی طرح اسکا نصاب اور اسکی شرح بھی نبی ؐ نے متعین فرمادی ہے۔ ان امور میں کوئی ترمیم و تنسیخ جائز نہیں ہے اب ظاہر ہے کہ ریاست کو اگر دوسری مزید ضروریات درپیش ہوں تو وہ ان کے لئے قوم سے مالی مدد حاصل کر سکتی ہے۔ اگر یہ وصولی جبری ہو تو ٹیکس اور اگر رضاکارانہ ہو تو چندہ ہے اور واپسی کی شرط ہو تو قرض (Loan) ہے۔ زکوٰۃ اور یہ دوسری قسم کی وصولیاں نہ ایک دوسرے کی جگہ لے سکتی ہیں اور نہ ایک دوسرے کو ساقط کر سکتی ہیں۔ اگر ہمارے ملک میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم ہوجائے اور دیانتداری سے اسکا نظام چلایا جائے تو اتنے ٹیکسوں کی ضرورت باقی نہیں رہے گی جتنے آج موجود ہیں۔ موجودہ زمانے میں ٹیکسوں کے معاملے میں جتنی بدعنوانیاں اور بددیانتیاں ہوتی ہیں وہ سب جانتے ہیں۔ ایک طرف تو جس مقصد کے لئے ٹیکس لگایا جاتا ہے اسکا بمشکل دس فیصدی اس مقصد پر صرف ہوتا ہے دوسری طرف ٹیکسوں سے بچنے کے لئے (Evasion) کی ایک عام ذہنیت پیدا ہوگئی ہے۔ اگر نظام حکومت درست ہوجائے تو موجودہ ٹیکسوں کا ایک چوتھائی حصہ بھی کفالت کرے گا اور افادیت بھی

چار پانچ گنا زیادہ ہوجائے گی۔ (۸-27ھ)

دارالعلوم کراچی کے مفتی صاحبان کی رائے یہ ہے

الجواب حامداً و مصلیاً

عشر کی ادائیگی کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اس لئے اسکا ادا کرنا تو ہر حال میں ضروری ہے۔

البتہ زمینداروں اور کاشتکاروں کو سہولتیں مہیا کرنے اور ضرورتیں پورا کرنے میں حکومت کا جو خرچ ہوتا ہے اسکا مناسب مقدار کی حد تک وصول کرنا تو حکومت کے لئے جائز ہے جیسے آبیانہ وغیرہ لیکن اسکے علاوہ دوسرے قسم کے ٹیکس وصول کرنے کے لئے چند شرائط ہیں جنکی تفصیل یہ ہے کہ حکومت کے جائز مصارف اگر جزیہ، خراج، فئی اور مال غنیمت وغیرہ سے پورے نہیں ہوتے ہیں تو حکومت کے لئے ٹیکس لگانا جائز ہے اور عوام کے لئے اس قانون کی پابندی لازم ہوگی۔ بشرطیکہ یہ ٹیکس بقدر ضرورت ہو اور لوگوں کے لئے قابل برداشت ہو اور ٹیکس وصول کرنے کا جو طریقہ ہے وہ لوگوں کے لئے ایذارسانی کا باعث بھی نہ ہو (رجسٹر نقل فتاوی 39 ب/367)

واللہ اعلم بالصواب

محمد نجیب خان نواب شاہی دارالافتاء دارالعلوم کراچی

1416/1/16ھ

للجواب صحیح

بندہ محمود اشرف غفر اللہ

1416/1/16ھ

ترمذی و ابن ماجہ کی ایک حدیث میں آنحضرت ؐ نے مسلمانوں پر صرف زکوٰۃ کی فرضیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اذا ادیت زکوٰۃ مالک فقد تضیت ما علیک" 28

ترجمہ: جب تو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو جو کچھ تجھ پر فرض تھا تونے اسے پورا کردیا۔

(یہ صفحہ Duplicate ہوگیا ہے لہذا یہ زائد ہے)

چار پانچ گنا زیادہ ہوجائے گی۔

دارالعلوم کراچی کے مفتی صاحبان کی رائے یہ ہے

الجواب حامداً و مصلیاً

عشر کی ادائیگی کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اس لئے اسکا ادا کرنا تو ہر حال میں ضروری ہے۔

البتہ زمینداروں اور کاشتکاروں کو سہولتیں مہیا کرنے اور ضرورتیں پورا کرنے میں حکومت کا جو خرچ ہوتا ہے اسکا مناسب مقدار کی حد تک وصول کرنا تو حکومت کے لئے جائز ہے جیسے آبیانہ وغیرہ لیکن اسکے علاوہ دوسرے قسم کے ٹیکس وصول کرنے کے لئے چند شرائط ہیں جنکی تفصیل یہ ہے کہ حکومت کے جائز مصارف اگر جزیہ، خراج، فئی اور مال غنیمت وغیرہ سے پورے نہیں ہوتے ہیں تو حکومت کے لئے ٹیکس لگانا جائز ہے اور عوام کے لئے اس قانون کی پابندی لازم ہوگی۔ بشرطیکہ یہ ٹیکس بقدر ضرورت ہو اور لوگوں کے لئے قابل برداشت ہو اور ٹیکس وصول کرنے کا جو طریقہ ہے وہ لوگوں کے لئے ایذارسانی کا باعث بھی نہ ہو (رجسٹر نقل فتاوی 39 ب/367)

واللہ اعلم بالصواب

محمد نجیب خان نواب شاہی دارالافتاء دارالعلوم کراچی

1416/1/16ھ

للجواب صحیح

بندہ محمود اشرف غفر اللہ

1416/1/16ھ

ترمذی و ابن ماجہ کی ایک حدیث میں آنحضرت ؐ نے مسلمانوں پر صرف زکوٰۃ کی فرضیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اذا ادیت زکٰوۃ مالک فقد تضیت ما علیک"

ترجمہ: جب تو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو جو کچھ تجھ پر فرض تھا تونے اسے پورا کردیا۔

علامہ شوکانی کی تحقیق یہ ہے کہ

" ای لیس علیهم غیر الزکٰوۃ من الضرائب والمکس " 29

ترجمہ: مسلمانوں پر سوائے زکوٰہ کے کوئی ٹیکس وغیرہ نہیں۔

علامہ ناصر الدین نے دونوں روریات کو ضعیف سنن اترفدی (بیروت 1988ص 76)

اور ضعیف سنن ابی ماجہ (بیروت :1991 :12ص 139) میں صعیف قرار دیا ہے۔

1بو الحسن الماوردی نے نبی اکرمؐ کے ارشاد کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا ہے ۔

" ولا یجب علی المسلم فی مالہ حق سواھا " 30

ترجمہ: مسلمانوں کے مال میں سوائے زکوٰہ کے اور کچھ فرض نہیں۔

علامہ علاء الدین علی بن حسام الدین الهندی المتوفی 970ھ نے نقل کیا ہے ۔

" ان تمام اسلامکم ان تودوا زکٰوۃ اموالکم " 31

ترجمہ : تمہارا اسلام کو پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے مالوں کی زکوٰہ ادا کرو۔

اسی طرح نبی اکرمؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب عامل بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا

" ان اللہ افترض علیهم صدقة فی اموالهم توخذ من اغنیآء هم و ترد علٰی فقرائهم " 32

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے امیروں سے لیا جائے گا اور ان کے غریبوں پر لوٹایا جائے گا۔

دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا

فاخبرهم ان اللہ فرض علیهم زکٰوۃ فی اموالهم "

ترجمہ : پس انکو آگاہ کردینا کہ بے شک اللہ نے ان کے مالوں میں زکوٰہ فرض کی ہے ۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت انسؓ کو بحرین کا عامل بناتے ہوئے تحریری حکم دیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هذه فريضة الصدقة التى فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين والتى امر الله بها رسوله فمن سئلها من المسلمين على وجهها فليقطها ومن سئلها فوقها فلا يعط" 33

ترجمہ: اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ صدقہ کا وہ فریضہ ہے جو رسول اللہؐ نے مسلمانوں پر فرض کیا اور یہ وہی ہے جسکا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو دیا۔ پس مسلمانوں میں سے جس سے فریضہ کے مطابق طلب کیا جائے وہ ادا کرے اور جس سے اس سے زیادہ مانگا جائے وہ نہ دے۔

مولانا فضل الرحمٰن بن میاں محمد نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے۔

اسلامی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ رسول اللہؐ کے عہد مبارک میں حکومت اور مسلمانوں کو جتنی مال کی ضرورت تھی بعد میں ویسی صورت کبھی بھی سامنے نہیں آئی۔ لیکن اسکے باوجود ہمیں ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملتی جس سے پتہ چلے کہ رسول اللہؐ یا خلفاء راشدین نے زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ زبردستی ٹیکس لگا کر مال وصول کیا ہو نبی کریمؐ کو جب بھی ضرورت پیش آئی تو آپؐ نے رضاکارانہ طور پر صدقہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ غزوہ تبوک اسکی بہترین مثال ہے۔ 34

مفتی غلام سرور قادری نے اپنی یہ رائے دی ہے کہ

ضرائب یعنی ہنگامی ٹیکس بھی بیت المال کے لئے ہوتے ہیں۔ اگر کفار کے ساتھ جنگ ہو جائے اور بیت المال خالی ہو اور لوگوں کو انکی ضروریات میسر نہ آ رہی ہوں جس سے تباہی و بربادی اور ہلاکت کا قومی اندیشہ منڈلا رہا ہو۔ اور غنی و سرمایہ دار لوگ بھی وہ تمام مالی حقوق ادا کر چکے ہوں جو ان پر عائد ہوتے تھے لیکن ابھی بھی ملکی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں یا قحط سالی سے بربادی و ہلاکت کا قومی اندیشہ بدستور باقی ہو تو اس صورت میں سرمایہ داروں پر ہنگامی اور وقتی ٹیکس

لگائے جاسکتے ہیں - ضرائب (ہنگامی امداد) سے اگراہل استطاعت گریز کرنے لگیں تو حکومت اسلامیہ ان سے جبری طور پر بھی امداد لے سکتی ہے - لیکن نظام مصطفےٰ میں ان موجودہ بے ہنگم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں جو حکومتیں عوام پر بلا جواز مسلط کرتی ہیں- 35

ملک کی موجودہ صورت حال اور زرعی ٹیکس کے متعلق ماہرین اقتصادیات کی آراء:

سینٹر پروفیسر خورشید احمد سے جب موجودہ مروج مالیاتی نظام اور ٹیکسوں کے طریقہ کار و زرعی ٹیکس کے نفاذ کے جواز و عدم جواز کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا۔

اسلامی معاشیات کے طالب علم کی حیثیت سے میں یہ کہہ سکتا ہوں اور زکوٰۃ اور عشر کے نظام کے صحیح نفاذ کے بعد کسی زرعی ٹیکس کی صورت نہیں رہے گی۔ جہاں تک مسئلہ جواز کا ہے میرے علم کی حد تک اگر حکومت اسلامی ہو اور اپنے مصارف ان حدود کے اندر کر رہی ہو جو شریعت نے مقرر کیے ہیں اور اسلامی ریاست یا مسلم معاشرہ کی ان حقیقی ضرورتوں کے لئے جو مصالح مرسلہ کی تعریف میں آتے ہوں تو اگر زکوٰۃ اور عشر کی آمدنی ان ضروریات کو پورا کرنے میں ناکافی ہوں تو ان کے علاوہ ٹیکس (ضرائب) لگائے جاسکتے ہیں۔

البتہ جہاں تک موجودہ ٹیکس کے نظام کا تعلق ہے تو میری نگاہ میں انکم ٹیکس اور دولت ٹیکس دونوں ہی موجودہ شکل میں اسلام کے اصول محاصل سے ہم آہنگ نہیں۔ اور پورے نظام میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے جس کے بارے میں میں اپنی بہت سی تقریروں اور مضامین میں وضاحت کر چکا ہوں۔

زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکس عائد کرنے کے معاملے میں حفظ الرحمٰن سیوہاروی یہ رائے دیتے ہیں۔ کہ ٹیکسوں کا وہ مفہوم جو موجودہ زمانہ کے طریقہ حکومت میں رائج ہے۔ اسلامی نظام حکومت میں ناپید ہے۔ اس لئے کہ آج کل جو ٹیکس پبلک پر لگائے جاتے ہیں وہ عموماً عدل و انصاف کے خلاف اور حکومت یا ارکان حکومت کے ان مفادات کی خاطر لگائے جاتے ہیں جن کا پبلک مفاد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اسلام کے دستوری نظام میں خراج، جزیہ، عشور، عشر، زکوٰۃ فیئے، خمس، وقف اور اسی قسم کے محاصل اسی غرض سے مقرر کئے گئے ہیں کہ وہ پبلک کی انفرادی و اجتماعی ضروریات کے کام آئیں۔ اس لئے وہ عام طور پر مزید ٹیکس عائد کرنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ البتہ اگر بیت المال کے مسطورہ بالا محاصل ان ضروریات کو کافی نہ ہوں یا ہنگامی اہم

ضروریات ان محاصل سے فاضل آمدنی کے بغیر پوری نہ ہوسکیں تو عدل و انصاف کے ساتھ اہم ہنگامی محاصل (ایمر جنسی ٹیکس) اغنیاء اور اہل ثروت پر عائد کئے جاسکتے ہیں۔ 36

ورلڈ بینک کے حکام نے صوبائی حکومتوں کی طرف سے زرعی ٹیکس کی وصولی کے سلسلہ میں کئے جانے والے اقدامات پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا ہے کہ آئین میں ترمیم کرے اور زرعی ٹیکس کی وصولی کا کام سنٹرل بورڈ آف ریونیو کے سپرد کیا جائے اور زرعی آمدنی کو کسی بھی قسم کے دوسرے قانونی کاروبار کے برابر سمجھ کر اس پر ٹیکس لگائے۔

عالمی بینک اور دوسرے عالمی مالیاتی اداروں بشمول پاکستان کو امداد دینے والے کنسورشیم کی طرف سے ٹیکسوں کی بنیاد وسیع کرنے کے مسلسل اصرار پر پچھلے مالی سال 95 - 1994ء میں زرعی آمدنی پر ٹیکس لگانے کی ابتدا کی گئی جسکی سینیٹ، قومی اسمبلی اور چاروں صوبائی اسمبلیوں میں موجود جاگیردار ارکان نے کھل کر مخالفت کی جس کے بعد زرعی شعبہ کو ٹیکس نیٹ میں تو لایا گیا لیکن دوسری طرف انہیں دولت ٹیکس میں دی جانے والی چھوٹ کی حد ایک لاکھ روپے سے بڑھا کر دس لاکھ روپے کر کے مطمئن کر دیا گیا۔

حکام عالمی بینک نے پاکستان کے اعلیٰ حکام سے ٹیکسوں کی آمدنی بڑھانے اور اسکی بنیاد وسیع کرنے کے سلسلہ میں ایک اہم بات چیت کے دوران دستور پاکستان میں آئینی ترمیم کرکے زرعی آمدنی ٹیکس کو بھی شیڈول اے میں شامل کر کے اسکی وصولی کا کام ""Central Board of Revenue اسلام آباد کے حوالے کرنے کے لئے کہا ہے۔ 37

سینٹرل بورڈ آف ریونیو کے چیئرمین عبدالرحیم علوی نے 4 جنوری 1996ء کو ایوان صنعت و تجارت فیصل آباد کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملک کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ایک سال میں جتنا ٹیکس جمع کیا جاتا ہے اسکا 82 فیصدی حصہ بند ہے یعنی ہاتھوں ہاتھ بین الاقوامی قرضوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم ابتدائی چند سالوں میں اپنے قرضوں کو درست انداز میں متوازن رکھنے میں ناکام رہے ہیں۔ 38

جناب محمد اکرم ذکی سابق سیکرٹری جنرل وزارت خارجہ حکومت پاکستان نے روزنامہ خبریں کے زیر اہتمام اسلام آباد میں منعقدہ مجلس مذاکرہ میں " پارلیمانی اور صدارتی نظام میں سے کونسا بہتر ہے " کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ پارلیمانی نظام ان خاندانوں کی میراث بن کر رہ گیا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس خاندانی نشستیں ہیں - وہی اس نظام پر پوری طرح قابض ہیں اور انکی سیٹوں کی منتقلی ان کی اولاد میں ہوتی رہتی ہے - اس صورت حال میں نہ تو زرعی ٹیکس لگ سکتا ہے اور نہ ہی ہمارا ملک صحیح معنوں میں ترقی کرسکتا ہے کیونکہ زرعی ٹیکس لگائے بغیر یہ ترقی ممکن ہی نہیں - 39

جناب ارشاد احمد حقانی صاحب نے "حرف تمنا" کے عنوان سے " پاکستان کے جسد قوی کو لاحق سنگین مرض " کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ پاکستان کی معیشت پچھلے تقریباً بیس سالوں سے غلط حکمت عملیوں کی وجہ سے غیر مستحکم ہے - بیماری یہ ہے کہ ہماری آمدنی ہمارے اخراجات کے مقابلہ میں بہت کم ہے ہمارا بال بال قرضوں میں جکڑا ہوا ہے ، ہمیں ان قرضوں پر اربوں روپے سود ادا کرنا پڑتا ہے اور اب قرضوں اور سود کی ادائیگی ہمارے بجٹوں پر بہت بڑا بوجھ بن چکی ہے - پاکستان کو اپنی معیشت کی اصلاح کے لئے دوسرے اقدامات کے علاوہ اپنی زراعت و صنعت کو ترقی دینی چاہیئے اور خود انحصاری کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے -

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہمارے بالائی طبقات اس ملک سے صرف لینا جانتے ہیں اس کو کچھ دینے کے لئے تیار نہیں - یہ تو ایک معلوم حقیقت ہے کہ ملک کا بڑا زمیندار طبقہ زرعی آمدنی پر ٹیکس دینے کے لئے تیار نہیں حالانکہ اس مد میں سالانہ بیس سے تیس ارب روپے حاصل ہوسکتے ہیں اور اسی نسبت سے حکومت عوام پر کم بوجھ ڈالنے کی راہ اختیار کرسکتی ہے - 40

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ امجد سعید صاحب نے ایک انٹرویو میں ملکی مالی صورت حال پر گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

اس وقت پاکستان کی کل آبادی تقریباً تیرہ کروڑ دس لاکھ ہے جبکہ پندرہ لاکھ لوگ انکم ٹیکس دیتے ہیں۔ اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء کے دوسرے شیڈول کے تحت 185 مدوں میں مختلف لوگوں کی آمدنیوں کو مستثنٰے قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا بڑے پیمانے پر لوگ قانونی تحفظ کے تحت ٹیکس نہیں دیتے۔ اسکو ختم کیا جانا چاہیئے تاکہ اسلامی مساوات کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔ اسی طرح دولت ٹیکس کے تحت بھی بہت تھوڑی رقم وصول ہوتی ہے اس لئے دولت ٹیکس میں مستثنٰی اثاثہ جات و سرمایہ Assets کو فی الفور ختم کیا جائے کیونکہ اس سے نہ صرف آمدنی میں اضافہ ہوگا بلکہ غریب اور امیر میں کافی حد تک فرق ختم ہو جائے گا۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ ڈائریکٹ ٹیکس زیادہ لگائے اور اخراجات پر کنٹرول کے لئے ان گذارشات پر عمل کرے۔

جناب محمود مرزا ایڈووکیٹ نے بجٹ پر اپنی رائے دیتے ہوئے کہا کہ کوئی بھی ٹیکس پارلیمنٹ کی اجازت کے بغیر نہیں لگایا جاسکتا اور جب تک ٹیکس کی چوری ہوتی رہے گی تو اشیائے ضرورت پر ٹیکس بڑھتے رہیں گے۔ ہم جب ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف وغیرہ سے قرضے لیتے جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ بجٹ خسارہ کم کریں۔ اب بجٹ خسارہ کم کرنے کے لئے نہ ہم بڑے زمینداروں پر ٹیکس لگا سکتے ہیں اور نہ بڑے لوگوں سے ٹیکس وصول کرسکتے ہیں تو عوام پر بوجھ ڈال دیتے ہیں۔ 41

(نوٹ) : (انکم ٹیکس آرڈیننس 1979ء کی عبارت ملاحظہ ہو جس میں زرعی آمدنی کو ٹیکس سے مستثنٰی قرار دیا گیا ہے۔)

[1]THE SECOND SCHEDULE

[*See* Section 14(1)]

PART I

[2][EXEMPTIONS] FROM TOTAL INCOME

Incomes, or classes of income, or persons or classes of persons, enumerated below, shall be exempt from tax, subject to the conditions and to the extent specified hereunder:-

---

[1]The Second Schedule substituted by Finance Ordinance, 1981. Before substitution it was amended by Finance Ordinance, 1980 and by various notifications u/s 14.
[2]Substituted for "EXCLUSIONS" by Finance Act, 1988.

Second Schedule. An 'Arrangement of Clauses' is as follows:-

بین الاقوامی ماہر اقتصادیات ڈاکٹر محبوب الحق سابق وزیر خزانہ و منصوبہ بندی حکومت پاکستان نے حکومت کی اقتصادی پالیسیوں کے متعلق کہا کہ :

حکومت کی اقتصادی پالیسیوں کے نتیجہ میں ملک میں روزمرہ اشیاء کی قیمتوں ۔ مہنگائی اور افراط زر میں لگ بھگ 30 فیصد اضافہ ہوگیا ہے اور اگر حکومت نے غیر پیداواری اخراجات کم نہ کئے تو آئندہ مالی سال (97 - 1996ء) میں اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے حکومت کو 23 ارب روپے سے زیادہ کے نئے ٹیکس لگانا پڑیں گے ۔ انہوں نے بتایا کہ حکومتی اعداد و شمار کے مطابق زرعی شعبہ میں ایک سو (100) ارب روپے کے لگ بھگ آمدنی ہوتی ہے جس میں سے حکومت کو بطور ٹیکس بیس سے تیس ارب روپے حاصل ہوسکتے ہیں ۔ لیکن اب اس مد میں صرف 25لاکھ روپے حاصل کئے جارہے ہیں ۔ لہذا ضروری ہے کہ زرعی شعبہ پر ٹیکس لگائے جائیں ۔

اسلامک سوسائٹی آف سٹیٹسٹیکل سائنسز کے چیئرمین جناب پروفیسر ڈاکٹر منیر احمد نے کہا کہ بجٹ سے عوام کی بہبود مقصود ہوتی ہے ۔ اس لئے اسے عوام کی امنگوں کو مد نظر رکھ کر ہی ترتیب دینا چاہیئے ۔ ہمارے ہاں فی کس آمدنی بہت کم ہے اور افراط زر 16 فیصد تک ہے ۔ بجٹ کے لئے ضروری ہے کہ اسے ایمانداری سے بنایا جائے اور ایمانداری ہی سے خرچ کیا جائے ۔ حکومت باہر کے ملکوں سے قرض کا پیسہ جس پراجیکٹ کے لئے لے سو فیصدی اسی پر خرچ کرے اور بجٹ خسارہ کم کرنے کے لئے Tax Base وسیع کرنی چاہیئے جبکہ ٹیکس بہت کم ہوں ۔ 42

احتشام احمد اور نکولس سٹرن نے ترقی پذیر ممالک میں قوانین زرعی ٹیکس کے بطور خاص مستحق مطالعہ ہونے اور زراعت کو ایک معیاری مقابلاتی پیداوار ہونے کے باوجود کسی دوسری پیدا واری سرگرمی کی طرح زیر بحث نہ لانے کی کئی وجوہات بیان کی ہیں جن میں سے ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اراضی کی پیداوار بہت مشکل اور دشوار قسم کی پیداوار ہونے کے باعث دیگر بہت سی معاشی سرگرمیوں سے بہت مختلف ہے ۔ کیونکہ اس میں محنت کے انتظامات بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر تمام مقامی و دیہی محنت کی منڈیوں کے اندر پیداواری سرگرمیوں کے لئے زبردست کردار ادا کرتے ہیں- اسی طرح اس پیداوار کو حاصل کرنے میں محصولاتی کرایوں کے مسائل بھی بہت اثرانداز ہوتے ہیں-

بعد میں وہ زراعت اور ٹیکس پالیسی کے عنوان سے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ زراعت سے متعلق پالیسی معیشت میں زراعت کے موزوں کردار اور زرعی شعبے میں کام آنے والے عناصر سے متاثر ہونی چاہیے - زرعی شعبے کے لئے مناسب قیمتوں کا انتخاب بذات خود مسئلہ ہے جس کی براہ راست چھان بین ہونی چاہیے - ایسی چھان بین عوامی فلاح و بہبود کے حوالے سے بہت ضروری ہے ۔ اس مسئلہ کو کسی اور شعبے کی طرف منتقل کرنا بہت مشکل ہے ۔ عام طور پر ایسا معاملہ نہیں ہوتا کہ زرعی اشیاء کی بڑھتی ہوئی قیمتیں زرعی پیدا وار کی قیمتوں کے برابر ہو جائیں-

معاشی ترقی میں تیزی کے باوجود دوسرے شعبوں کی ترقی اور نشوونما میں زراعت جتنی مدد دیتی ہے اس کے مقابلے میں زراعت کاروں کی فلاح و بہبود پر بہت کم توجہ مبذول کی جاتی ہے - یہ بات مالیات ، لیبر اور خوراک کی فراہمی کے حوالے سے خاص طور پر قابل غور ہے۔ اسی لئے زرعی ٹیکسیشن کئی لحاظ سے زائد قابل سرمایہ کاری ذریعہ ہے ۔ زرعی شعبے پر ٹیکس عائد کرنے کا ایک راستہ درآمدی "" Terriff اور کوٹہ ہے ۔ درآمدات کو کم کرنا ہے ۔ اس طرح سے زرمبادلہ (Exchange) کی شرح زیادہ ہوتی ہے ۔ یہ رجحان ممکنہ برآمدات کے لئے مقامی قیمت میں کمی کرتا ہے ۔ جب سے ترقی پذیر ممالک کی بہت سی برآمدات زرعی شعبے سے آنا شروع ہوئی ہیں زرعی پیداوار کے

لئے مقامی طور پر قیمت میں کمی ہوئی ہے۔

زرعی انکم ٹیکس اصولی طور پر اسی طرح کا ٹیکس ہے جو دیگر آمدنیوں پر ہوتا ہے۔ تاہم لیبر کی فراہمی سے ہٹ کر گھریلو اشیاء اور زمینی پیداوار پر اس ٹیکس کے اثرات سے بچتے ہوئے اس کی بنیاد کمائی (Earning) کی بجائے کمائی کی طاقت پر ہونی چاہیے۔ دیگر پیچیدگیوں کے علاوہ اس سے متعلقہ نمایاں مسئلہ اس کی آمدنی اور اخراجات کی مختلف تعریفوں اور پیمائش کا ہے۔ خصوصاً جہاں ٹیکس حکام کو چھوٹے چھوٹے کاشت کار اور محدود وسائل میسر ہوں۔

زراعت پر ٹیکس لگانے کا ایک اچھا اور موزوں حل یہ ہے کہ ساری آمدنیوں کو آمدنی ہی سمجھا جائے۔ جس کی مثال زرعی ٹیکس ہے اس شعبہ کی "" Taxtin کا انحصار اسکی پیداوار کی ترقی پر ہے۔ اس کا متبادل طریقہ یہ بھی ہے کہ اخراجات کو برداشت کرنے کی صلاحیت بھی پیدا کی جائے۔ یہ اسی صورت میں ترقی یافتہ ہوسکتا ہے کہ اگر اس کی بنیاد زیادہ تر بڑے بڑے زمینداروں پر رکھی جائے۔ 43

حوالہ جات باب چہارم

1 :- Economic Survey 1994 - 95

Govt of Pakistan Finance Division, Economic Advisory Wing, Islamabad

2 :- Agricultural Economic Wing, Ministry of Food and Agriculture ,Islamabad

3 :- Eighth Five year Plan ,June, 1996,(Planing Wing) Govt. of Pakistan Islamabad: P-155-156

4 :- Complete Icome Tax Laws 5Th Addition By S.A. Salaam: Mansoor Book House Lahore: Page No. 368

5 :- سپرنٹنڈنٹ بجٹ ڈیپارٹمنٹ پنجاب ریونیو بورڈ لاہور۔

6 :- ڈپٹی سیکرٹری F-1 وزارت خزانہ ،اسلام آباد

7 : Wealth Tax Act 1963 with Rules 1994-95 : P: 54 - 55

8 :- Director Agricultural Economics, Ayub Agricultural Research Institute, Faisalabad

9 :- رشید اختر ندوی: تہذیب و تمدن اسلامی (حصہ سوم) ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور: ص: 189 تا 191

10 :- النظم الاسلامیہ: ڈاکٹر حسن ابراہیم: صدیقی پبلیکیشنز لاہور: ص: 300 تا 303

11 :- ابو الاعلیٰ مودودی: معاشیات اسلام: ص: 369 تا 370: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

12 :- ابوالکلام آزاد: حقیقت زکوٰۃ مطبع لاہور 1950ء ص: 44

13 :- نور محمد غفاری: اسلام کا قانون محاصل: ص: 42

14 :- ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی: سنن الدارمی (باب ما یجب فی مال سوی الزکوٰۃ) مکتبہ داراحیاء السنۃ النبویۃ ج: 1: ص: 395

15 :- عبدالرحمٰن مبارکپوری: تحفۃ الاحوذی: ج: دارالکتاب العربی بیروت: ج: 2، ص: 22

16 :- ابن العربی: عارضۃ الاحوذی بشرح الصحیح الترمذی: ج: 3، ص: 162 تا 163

17 :- محمد یوسف بنوری: معارف السنن (الجزء الخامس) (طبع ثانی: 1395ھ مکتبہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی)، ص: 269

18 :- محمد بن عبداللہ علوی (شارح) سنن ابی ماجہ مع شرح مفتاح الحاجۃ ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ 1394ھ سرگودھا) ص: 129

19 :- امام جلال الدین سیوطی: تدریب الراوی (دار النشر الکتب الاسلامیہ لاہور) ج: 1 ص: 266

20 :- ابن حزم: المحلّٰی، ج: 4، ص: 352

21 :- ابن ہمام: فتح القدیر: کتاب الکفالۃ، ج: 5، ص: 422

22 :- الماوردی: الاحکام السلطانیہ: مطبع قاہرہ: ص: 198

23 :- سید قطب شہید: العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام (اردو ترجمہ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی): اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور 1985ء: ص: 356 تا 361

24 :- مسائل زکوٰۃ و عشر: مرکزی زکوٰۃ انتظامیہ اسلام آباد: ص: 251 تا 252

25 :- اسلام کا زرعی نظام: احسن اکیڈمی کراچی: ص: 277

26 :- یوسف قرضاوی: فقہ الزکوٰۃ: ج: 2، ص: 229 تا 230

27 :- شیخ محمد شتوت: مفارقۃ المذاہب فی الفقہ، قاہرہ بحوالہ مسائل زکوٰۃ و عشر: ص: 252

27/A : مودودی: معاشیات اسلام: ص: 371 تا 372

28 :- ترمذی شریف : ج : 1 ' ص : 107 و ابن ماجہ : ص : 128

29 :- نیل الاوطار : ج : 8 ' ص : 24

30 :- الاحکام السلطانیہ : ص : 113

31 :- کنز العمال (موسسة الرسالة بیروت) ' ج : 1 ' ص : 294

32 :- بخاری الصحیح : ص : 187 و مسلم : ج : 1 ' ص : 100 (ترجمہ علامہ وحید الزمان : کتاب الایمان : باب الدعاء الی شهادتین

:- (باب لا یوخذ من کرائم اموال الناس فی الصدقة) ' ص : 194

33 :- بخاری الصحیح : ص :195 و نیل الاوطار : ج : 4 ' ص: 133

34 :- مولانا فضل الرحمٰن بن میاں محمد : انکم ٹیکس کی شرعی حیثیت : دارالدعوة السلفیہ ' شیش محل روڈ لاہور : ص : 37

35 :- غلام سرور قادری : معاشیات نظام مصطفےٰ ' ص : 34 - 133

36 :- حفظ الرحمٰن سیوہاروی : اسلام کا اقتصادی نظام ' ص :123

37 :- روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ 29 مئی 1995ء

38 :- روزنامہ جنگ لاہور مورخہ 5 جنوری 1996ء

39 :- روز نامہ خبریں لاہور مورخہ 24 دسمبر 1995ء

40 :- اداریہ روزنامہ جنگ لاہور مورخہ 16 فروری 1996 ء

41 :- جمعہ میگزین روزنامہ جنگ لاہور مورخہ 8 مارچ 1996ء

42 :- حوالہ بالا ----------

43 :- The theory and practice of tax reforms in developing countries.
by Ehtesham Ahamd & Nicholas Stern P - 110 to 112

10-A: The Encyclopaedia Amercana: Vol : 26 · P : 287 ·

10-B: The Science of Public Finance By DR. G. Findlay (London 1925, P-113)

10-C: Fiscal Policy in Under-Developed Countries By Raja. I. Chelliah (London 1960 : P-61)

نتائج

قرآن و سنت ، آثار صحابہ ، علماء و فقہائے کرام کی آراء و دلائل کی روشنی میں پاکستان میں مروجہ قوانین زرعی ٹیکس کے تحقیقی مطالعہ سے درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

1: اگر نظام عشر کو صحیح معنوں میں مستحکم بنایا جائے تو اس سے ہونے والی آمدنی کی وجہ سے کسی قسم کے زرعی ٹیکس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

2 : زرعی دولت ٹیکس غیر شرعی ہے اور اسلامی اصول محاصل سے ہم آہنگ نہیں۔

3 : اگر اسلامی حکومت اپنے مصارف شرعی حدود کے اندر کر رہی ہو اور اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرہ کو ان حقیقی ضرورتوں کے لئے جو مصالح مرسلہ کی تعریف میں آتے ہوں اور زکوٰۃ و عشر کی آمدنی ان جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہو یا ہنگامی اقتصادی صورت حال ہو تو حکومت مزید زرعی آمدنی ٹیکس مشروط طور پر لگا سکتی ہے ۔ یعنی بقدر ضرورت ٹیکس ہوں اور قابل برداشت بھی ہوں۔

4 : عشر نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ زرعی اثاثہ جات و سرمایہ پر وفاقی حکومت کا ٹیکس عائد کرنا اور پھر صوبائی حکومتوں کا زرعی آمدنی پر ٹیکس لگانا یعنی بغیر کسی جواز کے (آبیانہ اور مالیہ کے علاوہ) بیک وقت تین اکٹھے محاصل مستقل لاگو کرنا بالکل ناجائز ہے ۔

5 : اگر واقعی بیرونی قرضہ جات و اقتصادی و معاشی بدحالی کی وجہ سے خزانہ خالی ہو یا بقدر ضرورت موجود نہ ہو تو زرعی دولت ٹیکس کو ختم کر کے زرعی آمدنی پر عارضی طور پر بقدر ضرورت وقتی عارضی ٹیکس لگایا جاسکتا ہے ۔

سفارشات و تجاویز:

1 - اللہ تعالیٰ عزوجل کی رضا اور نبی اکرم ﷺ کی اتباع میں اگر اسلامی نظام عشر و زکوٰۃ کو حتی الوسع مستحکم بنایا جائے اور اس سے ہونے والی آمدنی اور ملکی ضروریات کا موازنہ کر کے آمدنی کی کمی کی صورت میں رضاکارانہ طور پر عوام کا مالی تعاون حاصل کیا جائے تو ہمارے معاشی مسائل بطریق احسن حل کئے جاسکتے ہیں کیونکہ اہل اسلام کے دلوں میں وہ جذبہ ایثار موجود ہے جس کی بناء پر وہ اپنے بھائیوں کی فلاح و بہبود کے لئے ممد و معاون بن سکتے ہیں -

2 - اگر اسکے باوجود ملکی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں تو بامر مجبوری عوام الناس پر بقدر استطاعت حکومت اپنی ضرورت کی تکمیل تک ٹیکس لگانے کی مجاز ہے -

3 - قومی بجٹ بناتے وقت ملکی اخراجات کی بجائے ملکی آمدنی کو مدنظر رکھا جائے کیونکہ ہمارے موجودہ بجٹوں میں غیر پیداواری اور مسرفانہ اخراجات بے شمار ہونے کی وجہ سے بہت سے بے جا ٹیکس مثلاً زرعی ٹیکس وغیرہ لگائے جاتے ہیں - عوام پر اس قسم کے ٹیکسوں کا بوجھ بڑھانے بجائے بجٹ سازی کے وقت ایسے اخراجات و مدات کو کنٹرول کرنے کی پالیسی بنانی چاہیئے -

4 - حکومت کو چاہیئے کہ زرعی قرضہ جات نقد دینے کی بجائے زمینداروں کو جدید زرعی مشینری و آلات - معیاری بیج اور کھادیں خرید کر دے تاکہ قرضہ جات کی رقم صحیح ہدف پر ہی خرچ کی جائے - اسکے علاوہ مختلف سکیموں کے تحت قرضہ جات زرعی گریجوایٹس کو ترجیحی بنیادوں پر جاری کئے جائیں - اسی طرح کھاد، بیج اور جراثیم کش ادویات کے کاروبار کے لائسنس بھی انہی زرعی گریجوایٹس کو دیئے جائیں تاکہ ایک طرف ہر سال فارغ ہونے والے تقریباً تین سو زرعی گریجوایٹس یعنی تربیت یافتہ افراد بے روزگاری کا شکار ہونے سے بچ جائیں اور دوسری طرف زمینداروں کے اندر اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کا رجحان پیدا ہو-

5 - زمینداروں اور کاشتکاروں کی زرعی اور غیر زرعی آمدنی میں فرق ختم کرتے ہوئے غیر زرعی آمدنی انکم ٹیکس سے فرار کے راستوں کو بند کیا جائے اور زرعی و غیر زرعی ساری آمدنیوں کو صرف آمدنی ہی گردانا جائے اور پھر اس پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں چاندی کے نصاب کی مالیت کو معیار مقرر کیا جائے - اس طرح حکومت کو ٹیکس گذاروں کی تعداد اور ٹیکس کی آمدنی میں ناقابل یقین حد تک اضافہ ہوگا-

6 - ہمارے ملک کے اندر ہر طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں اور غیر ملکی کمپنیاں یا ان کے اشتراک سے قائم ہونے والی "Jams FoodsIndustries" یہاں سے سستا پھل خرید کر ان سے جوس ، مربہ جات ، مشروبات ، اور چٹنیاں اور اچار بنا کر مہنگے نرخوں پر فروخت کرتی ہیں - حیران کن بات یہ ہے کہ ان انڈسٹریوں میں سے ایک بھی حکومت پاکستان کی ملکیت میں نہیں ہے -

لہذا اگر حکومت پاکستان "Food Technologists" کی سرپرستی کر کے اس صنعت کی طرف توجہ دے تو اس میں خاصا منافع ہو سکتا ہے -

المصادر والمراجع

1-القرآن المجید:--

2-ابی داؤد (السنن)	امام سلیمان بن اشعث سجستانی:	مکتبہ امدادیہ ملتان:1316ھ
3-ابن ماجہ (السنن)	ابو عبداللہ محمد بن یزید ماجہ:	المکتبہ الفاروقیہ ملتان:1310ھ
4-الاحکام السلطانیہ:	ابو الحسن علی ابن محمد البغدادی الماوردی:	مطبع (قاہرہ) مصر:1398ھ
5-اسلام کا زرعی نظام:	محمد تقی امینی:	احسن اکیڈمی نارتھ ناظم آباد کراچی
6-اسلام کا نظام اراضی:	مفتی محمد شفیع:	دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی:1979ء
7-اسلام کا اقتصادی نظام:	محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی:	ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور:1984ء
8-اسلام کا قانون محاصل:	ڈاکٹر نور محمد غفاری:	مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور
9-اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام:	سیّد عبدالشکور ترمذی:	کتب خانہ جمیلی دارلعلوم اسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
10-انکم ٹیکس کی شرعی حیثیت:	مولانا فضل الرحمٰن بن میاں محمد:	دارالدعوہ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور
11-اسلام کا نظام عشر وزکوٰۃ:	سیّد احمد حسن اسعد گیلانی:	مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور اپریل 1985ء
12-البخاری الجامع الصحیح:	امام محمد بن اسماعیل بخاری:	ترجمہ: علامہ وحید الزمان) لاہور 1380ھ
13-تفسیر قرطبی:	ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری:	القرطبی دارلکتب العلمیہ
14-ترمذی الجامع الصحیح:	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی:	میر محمد کتب خانہ: کراچی 1398ھ
15-تحفۃ الاحوذی:	عبدالرحمٰن مبارکپوری:	دارالکتاب العربی: بیروت
16-تدریب الراوی:	امام جلال الدین سیوطی:	دارالنشر الکتب الاسلامیہ :لاہور

17-تاریخ الامم والملوک :	محمد بن جریر طبری:	مطبعۃ الاستقامہ (قاہرہ) مصر: 1939ء
18-تہذیب وتمدن اسلامی:	رشید اختر ندوی:	ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ: لاہور
19-حقیقت زکوٰۃ:	مولانا ابوالکلام آزاد:	مطبوعہ لاہور 1950ء
20-خلافت راشدہ اور ہندوستان:	قاضی اطہر مبارکپوری:	اسلامک پبلشنگ ہاؤس شیش محل روڈ: لاہور
21-الدارمی (السنن):	ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی:	مکتبہ دار احیاء السنۃ النبویۃ
22-زکوٰۃ مینوئل:	وزارت خزانہ:	حکومت پاکستان اسلام آباد: 1988ء
23-زرعی اصلاحات	1959ء (مارشل لاء ریگولیشن نمبر 64)	منصور بک ہاؤس کچہری روڈ: لاہور
24-زرعی اصلاحات	1972-77ء مارشل لاء ریگولیشن نمبر 115	: منصور بک ہاؤس کچہری روڈ لاہور
25-شرح سنن ابی ماجہ (مفتاح الحاجۃ):	محمد بن عبداللہ علوی:	ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ: سرگودہا: 1394ھ
26-ضیاء القرآن (تفسیر قرآن حکیم):	جسٹس محمد کرم شاہ الازہری:	ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور
27-ضعیف سنن ابی ماجہ:	علامہ ناصر الدین البانی:	بیروت 1988ء
28-ضعیف سنن الترمذی:	علامہ ناصر الدین البانی:	بیروت 1991ء
29-عارضۃ الاحوذی بشرح الصحیح الترمذی:	ابن عربی:	مکتبہ المعارف
30-العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام	: سید قطب شہید: (اردو ترجمہ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی):	اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور 1985ء
31-فتوح البلدان:	ابوالحسن احمد بن یحییٰ البلاذری:	بیروت 1987ء
32-فقہ الزکوٰۃ:	ڈاکٹر یوسف قرضاوی (اردو ترجمہ: ساجد الرحمٰن صدیقی)	: ادارہ معارف اسلامی: فیڈرل بی ایریا کراچی 1981ء
33-فقہ السنۃ:	السیّد السابق	: دار الکتاب العربی: بیروت

34-فتح القدیر: محمد بن عبد الواحد کمال الدین بن ہمام: مطبعۃ الامیریہ الکبریٰ (قاہرہ) مصر: 1315ھ

35-الفقۃ الاسلامیہ وادلتہ: ڈاکٹر شیخ وھبہ الزوھیلی: طبع ثالثہ دار الفکر، دمشق: 1980ء

36-الفاروق: مولانا شبلی نعمانی: مکتبہ القریش، چوک اردو بازار، لاہور

37-کتاب الخراج :امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم: مکتبہ السلفیہ (قاہرہ) مصر: 1382ھ

38-کتاب الخراج: امام یحیٰی بن آدم: قاہرہ) مصر: 1347ھ

39-کتاب الاموال : قاضی ابو عبید قاسم بن سلام: مکتبہ التجاریۃ الکبریٰ مصر 1353ھ

40-کتاب الاموال: امام ابو جعفر احمد بن نصر الداؤدی الاسدی ناشر: مرکز احیاء التراث المغربی، الرباط
تقدیم و تحقیق رضا محمد سالم)

41-الکامل فی التاریخ: عزالدین ابو الحسن علی بن محمد :بیروت 1945ھ

42-کنز العمال: علاؤالدین علی بن حسام الدین الہندی :موسستہ الرسالۃ، بیروت
(فی سنن الاقوال والافعال)

43-مسلم الجامع الصحیح: امام مسلم بن الحجاج قشیری: اردو ترجمہ: علامہ وحید الزمان لاہور 1981ء

44-المحلیٰ: ابو محمد بن احمد بن حزم: مکتبہ دار الفکر، کویت

45-الموسوعۃ الفقیۃ: وزارت اوقاف کویت طبع دوم 1992ء

46-مسائل زکوٰۃ و عشر: پروفیسر کرم حیدری: مرکزی زکوٰۃ انتظامیہ اسلام آباد مئی 1985ء

47-معاشیات نظام مصطفٰے: مفتی غلام سرور قادری: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور 1984ء

48-مفارقۃ المذاہب فی الفقہ: شیخ محمد شنتوت: الازہر، مصر

49-معاشیات اسلام: سیّد ابو الاعلیٰ مودودی: اسلامک پبلی کیشنز، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

50-معارف السنن (طبع ثانی): محمد یوسف بنوری: مکتبہ ایچ-ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی 1395ھ

51-مقدمہ ابن خلدون: عبد الرحمٰن بن محمد بن خلدون:

(اردو ترجمہ: نفیس اکیڈمی کراچی)

52- نیل الاوطار: امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی: انصار السنۃ المحمدیہ، لاہور

53- النظم الاسلامیہ: ڈاکٹر حسن ابراہیم و علی بن حسن ابراہیم:

(اردو ترجمہ: علامہ علیم اللہ صدیقی) صدیقی پبلی کیشنز لاہور

54- وفاقی بجٹ برائے سال 95-1994ء: وزارت خزانہ، حکومت پاکستان، اسلام آباد

55- وفاقی بجٹ برائے سال 96-1995ء: وزارت خزانہ، حکومت پاکستان، اسلام آباد

56- وفاقی بجٹ برائے سال 97-1996ء: وزارت خزانہ، حکومت پاکستان، اسلام آباد

رسائل و جرائد

57- الاضواء (مجلہ) مارچ 1993ء، رمضان المبارک 1413ھ شیخ زید اسلامی مرکز نیو کیمپس پنجاب یونیورسٹی لاہور

58- حکمت قرآن (ماہنامہ) ڈاکٹر محمود الحسن عارف۔ شمارہ نمبر 8 اگست 1988ء مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

59- فکرو نظر (مجلہ) مارچ، اپریل 1983ء: ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

اخبارات

60- روزنامہ "پاکستان" لاہور

61- روزنامہ "جنگ" لاہور

62- روزنامہ "خبریں" لاہور

63- روزنامہ "نوائے وقت" لاہور

Other Reference Books:

64- Agricultural Credit Indicators (statistics Deptt.)

Statistics Monitoing & Eualuation Division, Agricutural

Development Bank Of pakistan Head offoce Islamabad

65- Agricultual stalistics of Pakistan(Economic wing)

Minstry of Food & Agricultur Islamabad

66- The constitution of Pakistan 1973 with All Amendments upto 1988 By Asif Saeed Khan Khosa, Kausar Brothers 1 Turner Rood Lahore 1989

67- Complete Income Tax laws(5thAddition) By S.A. Salamm

Mansooor book House Lahore

68- Central Board of Revenue Ministry of Finance Islamabad

69- Directorate of Agricultral Economics , Ayub Agricultural Research Institute Faisalabad

70- Eight Five-Year plan, June 1996 (Planning wing) Govt of Pakistan Islamabad

71- Economic survey of Pakistan 1994 -95 Economic Advisory wing

Finance Division Islamabad

72- Economic survey of Pakistan 1995-96 -do -

73- The Encyclopeadia Amercana Vol :26.

74- Farm Management Handbook August 1993, By DR. Bashir, DR. Zakir Hussain and DR. Jim Longmire Published in collaboration with the Economic and policy alysis project, Washington D.C.

75- Fiscal Policy in under developed countries By Raja I. Chellah (London 1960.)

76- Finance Bill 1988 Ministry of finance, Islamabad

77- Finance Bill 1994------ do-------

78- Federal land Commission , Sitara Market Islamabad

79- Income Tax ordinance 1979 (port 1) withrules 1983-88

Ministry of Finance Islamabad

80- International Monitory Fund Resident Mission in Pakistan

Shahrah -E - Jamhuriat, Islamabad.

81- Irrigation Deptt, Faisalabad Region Faisalabad

82- Levy y of usher : An Islamization of Agricultural Taxation (Some Thoughts on Methodology By Dr. Ali Muhammad Ch. Farm Management Deptt. University of Agriculture Faisalabad

83- New Economic Package 1993 By Dr Moeen Qureshi Care Taker PrimeMinister of pakistan.

84- The Science of Public Finance By Dr . C Findlay shirras London 1925.

85- The Theory and practice of Tax Reforms in developing Countries chapter 4 (The Taxation of Agriculture theoreticol issues) By Ehtisham Ahmed & Nicholas stern Combridge universty press Combridge New york post chester Melborne Sydney (World Bank library Islamabad)

86- wealth Tax Act 1963 with Rules 1963,85 and 1994 -95 Mansoor Book House, Lahore .

87- Wealth Tax Basic Law and guidence central Board of Revenue Islamabad, July 1994.

88- Zakat and ushr ordinance 1980 (No-XVIII of 1980) Corrected upto October 1994, Zakat & usher Division, Ministry of Finance, Islamabad

89- Zakat and Ushr system in Pakistan, Central zakat Administration, Ministry of Finance, Islamabad, (April 1994)

90- Zakat & Ushr Ordinance 1980. Corrected upto April 1995. Zakat & Ushr Division, Islamabad.